بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی۔"
(المصلح الموعود)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ **خالد** ربوہ

شمارہ ۳	جنوری ۱۹۶۳ء	صلح ۱۳۴۲ ہش	جلد ۹

ترتیب

(سید عبد الباسط پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ خالد ربوہ ضلع جھنگ سے شائع کیا)

اسلام اور امنِ عالم

امنِ عالم کا مفہوم

امن پُرسکون آزادی اور حالتِ جنگ کی متضاد صورت کا نام ہے" بین الاقوامی قانون کی اصطلاح میں امن کا مطلب کسی قوم کی وہ حالت ہے جس میں وہ کسی دوسری قوم سے برسرِ پیکار نہ ہو۔ اسی امن کو" امنِ عالم" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

امن کی ضرورت و اہمیت

امن کی ضرورت اور اہمیت کے سلسلہ میں صرف اسی قدر بیان کر دینا کافی ہے کہ دنیا میں بسنے والی مختلف ملل و اقوام کی روحانی و جسمانی ترقیات میں امن و اتحاد اور صلح و آشتی کو بہت بڑا دخل ہے۔ جنگیں اور جھگڑے فساد دنیا کی ترقی میں زبردست رکاوٹ ہیں۔

امنِ عالم کا اسلامی نظریہ

اب ہم امنِ عالم کے سلسلہ میں اسلامی نظریہ پر بحث کرتے ہیں۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلامی تعلیمات کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ دنیا کی تمام حکومتوں کو ایک ہی حکومت کی لڑی میں پرو دیا جائے۔ چنانچہ ایسی صورت میں تمام دنیا امن و امان کا گہوارہ بن جائیگی اور تمام لڑائیاں اور فتنے فساد خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ یہاں یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ اسلام میں اس قدر لچک موجود ہے کہ وہ ایسی عالمی حکومت کے اجزائے ترکیبی یعنی دیگر مختلف ممالک کو اس حد تک آزادی مہیا کر سکتا ہے کہ اسلامی سیاسیات کے زیرِ اثر وہ نہایت آسانی سے اپنی قومی اغراض اور ملی مقاصد کو پورا کر سکتے ہیں۔ چونکہ ایک ہی عالمی حکومت ابھی دنیا میں ناپید ہے اسلئے "اسلام اور امنِ عالم" کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے ہمیں موجودہ حالات پر ہی قناعت کرتے ہوئے اسلامی اصول و قوانین بیان کرنے ہونگے۔

دنیا کو گہوارۂ امن بنانے کیلئے پہلا بنیادی اصول

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ؕ (سورہ لیل) یعنی جس نے (خدا کی راہ میں) دیا اور تقویٰ اختیار کیا اور نیک بات کی تصدیق کی تو اُسے ہم ضرور آسانی (کے مواقع) بہم پہنچائیں گے" ـــــ ان آیاتِ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت ہی لطیف مضمون بیان فرمایا ہے۔ اَعْطٰى کے معنے ہوتے ہیں دوسرے کو دیا اور اِتَّقٰى کے معنے ہوتے ہیں تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کی۔ اوّل الذکر میں "عمل کی درستی" کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ "اعطٰی" یعنی اُس نے دیا کا تعلق عملِ انسانی سے ہے۔ مؤخر الذکر میں "جذبات کی درستی اور صحت" کو بیان کیا گیا ہے کیونکہ اتقٰی جس کے معنے ہیں کہ وہ ہر بُری بات کے ارتکاب سے ڈرا اور ہر بُرے فعل سے بچا کا تعلق "صحتِ جذبات" سے ہے۔ اس کے بعد اگلی آیت میں اچھی باتوں کی تصدیق کا ذکر ہے یعنی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى اور تصدیق کا کام انسانی فکر کے سپرد ہے۔ پس یہ آیت صحتِ افکار پر دلالت کرتی ہے مجموعی طور پر اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں پُرامن طریق سے ترقی کرنے والی دنیا کا نقشہ کھینچا ہے۔

پس دنیا کے ہر بسنے والے کیلئے یہ لازم ہے کہ اگر وہ صحتمند طریق سے ترقی کرنا چاہتا ہے تو اس کے عمل میں بھی صحت ہو اور اسکے جذبات بھی درست ہوں اور اس کے افکار بھی تعمیری اور پاکیزہ ہوں ایسے افراد کا مجموعہ دنیا کو یقیناً امن کا گہوارہ بنا سکتا ہے۔

اس کے مقابل پر قرآن نے ایک ایسے معاشرہ کی بھی

تصویر کھینچی ہے جس کے افراد بخل اور بے پرواہی سے کام لیتے ہیں اور نیک باتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ فرمایا وَ اَمَّا مَنْ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى ۙ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ؕ یعنی ایک ایسا بھی معاشرہ ہے کہ جس کے افراد کے اعمال ہیں تو حد درجہ قبیح، جذبات ہیں تو بالکل ردّی اور افکار ہیں تو نہایت درجہ غلیظ اور ناپاک۔ ظاہر ہے ایسے حالات میں معاشرہ کسی طرح بھی صحتمند ترقی نہیں کر سکتا۔ صحیح عمل نہ ہونا بخل پیدا کریگا۔ اور صحیح جذبات کا نہ ہونا استغناء اور بے پرواہی پیدا کریگا اور صحیح فکر کا فقدان تکذیب پر اُکسائے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اس معاشرہ کے تمام افراد بگڑ جائینگے اور ابتری اور بدامنی پھیل جائے گی اور اس معاشرہ کے افراد کا ہر کام ان کے لئے تنگی اور عُسر اور وبال پیدا کریگا

امنِ عالم کے قیام کیلئے دوسرا قرآنی اصل

حقیقی امن کے قیام کے لئے ایک بالا اور ارفع اور اعلیٰ ہستی کے وجود کو تسلیم کرنا نہایت ضروری ہے۔ دہریانہ خیالات سے کبھی حقیقی امن نصیب نہیں ہو سکتا۔ اس چیز کو ہم باپ اور اسکی اولاد کے باہمی تعلق سے واضح کر سکتے ہیں۔ ہمارا تجربہ بتاتا ہے کہ ایک ہی باپ کے بچے جو باپ کی عدم موجودگی میں باہم دست و گریبان ہو کر لہو لہان ہو جاتے ہیں کیا مجال کہ باپ کی موجودگی میں دم بھی ماریں۔ پس اس مثال سے یہ امر خوب واضح ہو جاتا ہے کہ دنیا میں قیامِ امن کیلئے ایک بالا ہستی پر ایمان لانا نہ صرف ضروری بلکہ لابدی ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ "اصلِ اوّل" یعنی صحیح فکر اور صحیح جذبات اور صحیح عمل یکجا متحد ہو کر اپنے کمال کو اُس وقت تک پہنچ ہی نہیں سکتے جب تک کہ ایک محیط الکل اور علیم اور خبیر اور حکیم اور قادرِ مطلق ہستی کا وجود تسلیم نہ کیا جائے۔

دُنیا بانیٔ اسلام خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی احسانمند رہے گی کہ آپ کے ذریعہ سے ہی خلق اللہ کو معلوم ہوا کہ ایک ایک خدا ہے جس کی ایک صفت "اَلسَّلَامُ" بھی ہے یعنی وہ امن کا متمنی ہے اور ایسے قوانین و ضوابط نافذ کرنا چاہتا ہے جن سے دنیا "دارالامان" اور "دَارُالسَّلَامِ" بن جائے اور بدامنی اور ابتری سے انسان نجات پائیں۔ سورۃ حشر میں وارد ہوتا ہے "اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ" (آیت ۲۴) یعنی اے محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) تو لوگوں کو اُس خدا کی طرف توجہ دلا جو بادشاہ ہے، پاک اور السلام ہے یعنی اپنی مخلوق کو امن دیتا ہے اور تمام سلامتیوں اور آسائش کی حالتوں کا سرچشمہ ہے۔

پس جب دنیا میں بسنے والوں کو معلوم ہوگا کہ اگر انہوں نے امن کو برباد کرنے کی کوشش کی تو ایک بالا ہستی انہیں کچل کر رکھ دیگی۔ وہ ہرگز ایسا غیر دانشمندانہ قدم اٹھانے کی جرأت نہیں کرینگے۔ بلکہ اُس سے باز رہیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قول و فعل اور خواہشات میں تطابق پیدا ہو جائے گا اور سب کے حقوق محفوظ ہو جائیں گے۔ دنیا میں امن ہی امن نظر آئے گا۔

اُس بالا ہستی نے امن کی اشاعت کیلئے ایک مرکزی درگاہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (سورہ عنکبوت آیت ۶۸) نیز فرمایا وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا (سورہ بقرہ آیت ۱۲۶) یعنی کیا انہیں معلوم نہیں کہ ہم نے حرم یعنی مکہ کو امن کا مرکز بنایا ہے جہاں پر کہ لوگ بار بار جمع ہوتے ہیں۔ اس "مرکزِ امن" کا قیام عین خدا کی خواہشات کے عین مطابق ہوا ہے۔ ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ (آل عمران آیت ۹۷) یعنی سب سے پہلا گھر جو تمام دنیا کے فائدہ کیلئے مدام

خدا کی ہدایات کے تحت بنایا گیا وہ وہی تو ہے جو مکہ میں ہے۔ اب یہ دنیا والوں کا کام ہے کہ وہ اس گھر کی برکات سے مستفید ہوں یا ناشکرے پن کا مظاہرہ کریں۔

رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ کو اس درسگاہ کا معلم بنایا اور قرآن کریم کو امن کا کورس مقرر کیا۔ پس آج کی دنیا اگر امن چاہتی ہے تو بانیٔ اسلام کی زندگی کا مطالعہ کرے اور قرآن کریم کے حقائق و معارف کو معلوم کرے۔ وہ جگہ جگہ شفا اور رحمت اور سلامتی اور امن کے سوتے پھوٹتے ہوئے دیکھے گی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ دنیا اس طرف آئے۔

دنیا نے حصولِ امن کے لئے کئی تحریکیں چلائیں مگر ان کا کیا حال ہوا؟ تاریخ عالم اس ضمن میں ان کی بے بسی پر نوحہ خواں ہے لیکن جو تحریکِ امن "حج بیت اللہ" کی صورت میں رونما پذیر ہوئی۔ وہ آج بھی اسی طرح قائم و دائم اور اپنے مقاصد میں کامیاب ہے جس طرح آج سے چودہ سو سال قبل تھی۔ ایک ہی پلیٹ فارم پر مختلف قوموں، مختلف نسلوں، مختلف زبانوں، مختلف رنگوں اور مختلف شہروں اور ملکوں کے بسنے والوں کا یہ سالانہ عظیم الشان اجتماع عالم اسلام میں زبردست اتحاد اور بے نظیر اشتراک کا آئینہ دار ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے اس عظیم الشان احسان کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتا ہے۔ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَۃِ اللّٰہِ یَکْفُرُوْنَ ۝ (عنکبوت: ۶۸) یعنی کیا یہ لوگ غور سے کام نہیں لیتے کہ ہم نے بیت اللہ کے ذریعہ عالمگیر امن کی کیسی زبردست تدبیر کی ہے! کیا عربی اور کیا عجمی کیا مغربی اور کیا مشرقی، کیا کالے اور کیا گورے سب کو ایک ہی مرکز پر لا کھڑا کیا ہے۔ اور کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اس مدرسہ امن کا حقیقی فارغ التحصیل امن کا شہزادہ بن کر نکلتا ہے۔ وہ جھوٹ نہیں بولتا، بدظنی نہیں کرتا، ظلم نہیں کرتا، بے جا غضب سے کام نہیں لیتا۔ لالچ میں مبتلا نہیں ہوتا۔ المختصر وہ بدامنی اور فتنہ پردازی کے ہر محرک سے پاک اور مبرا ہوتا ہے۔ اطمینانِ قلب کا سرور اسے حرص و طمع کی آگ میں کبھی نہیں جلنے دیتا۔ مگر اسکے برعکس جو لوگ امن کے اس دائمی مرکز سے وابستہ نہیں انکا یہ حال ہے کہ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِھِمْ وہ بدامنی، جنگ و جدال اور فتنہ و فساد کا شکار ہیں۔ ان کے دل بے چین ہیں اور روحیں مضطرب۔ اللہ تعالیٰ اس نمایاں فرق کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ بیت اللہ کے ذریعہ عظیم انقلاب کی رونمائی کے بعد بھی اگر دنیا اپنے بنائے ہوئے اداروں کی کامیابی کے خواب دیکھ رہی ہے تو دیکھا کرے وہ حقیقی امن اُسوقت تک حاصل نہیں کر پائے گی جب تک کہ بیت اللہ کے گروہ میں شامل نہیں ہو جاتی۔

امنِ عالم کیلئے تیسرا قرآنی اصل

دنیا ہتھیاروں اور عقل اور قانون کے ذریعہ صلح قائم کرنا چاہتی ہے، حالانکہ سچا امن اور سچی صلح صرف روحانیت کے درست ہونے سے قائم ہو سکتی ہے۔ روحانیت کی درستی کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے دو امور کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اوّل سچی توحید کا قیام، دوم دینِ فطرت کی اتباع۔

سچی توحید اور قیامِ امن

دنیا میں مختلف مذاہب ہیں اور ان کی مختلف تعلیمیں ہیں۔ ان تمام کو یکجا اور متحد کرنے کا ایک ہی مرکزی نقطہ ہے اور وہ ہے توحید باری تعالیٰ۔ دنیاوی رشتوں میں بھی اس مرکزی نقطہ کی مثالیں موجود ہیں۔ چنانچہ ایک ہی باپ کی اولاد کو یکساں

نہیں ہوتی لیکن باپ کا رشتہ ایک ایسا رشتہ ہے جو انہیں اتحاد کی لڑی میں پروئے رکھتا ہے۔ باپ کے متعلق سبھی کا ایک ہی نظریہ ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ باپ مرکزی نقطہ ہے۔ وہ ایک کا باپ نہیں بلکہ سب کا باپ ہے پس اسلام نے انسانیت کے مرکزی نقطہ کو آغاز قرآن میں ہی بیان کر دیا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ (فاتحہ آیت ۱) اَلْعٰلَمِیْن کے مفہوم میں تمام مذاہب، تمام قومیں اور تمام بلاد و ممالک آجاتے ہیں۔ سورۂ آل عمران کی آیت قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ ...... الخ اور سورۂ انعام کی آیت ۸۲ اور ۸۳ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس اصل کا بالصراحت ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان ہی اتحاد بین الاقوام اور اتحاد بین المذاہب کا سب سے بڑا ستون ہے۔

دینِ فطرت کی اتباع اور قیامِ امن

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ انسان کی فطرت امن کی شدید خواہش رکھتی ہے۔ فطری اصولوں سے انحراف ہی دنیا کا امن تباہ کرنے کا اصل باعث ہے۔ اگر انسان اپنی فطرت پر غور کرے اور پھر اس غور کی روشنی میں قرآنی تعلیمات کا مطالعہ کرے تو اس پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ جو اصول و قوانین اور قواعد و ضوابط محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآنی پیغام میں بیان کئے گئے ہیں وہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں اور انسانی ذہن میں ان کی عکاسی موجود ہے۔ پس اگر دنیا امن و اتحاد اور فلاح و کامیابی چاہتی ہے تو وہ دینِ فطرت کی تلاش کرے اور وہ اسلام ہے جیسا کہ بانیٔ اسلام نے فرمایا ہے۔

عالمی امن کے حصول کیلئے چوتھا قرآنی اصل

اللہ تعالیٰ سورہ طٰہٰ آیت ۱۳۲ میں فرماتا ہے لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِہٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْھُمْ زَھْرَۃَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا لِنَفْتِنَھُمْ فِیْہِ وَرِزْقُ رَبِّکَ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی۔ اس آیت میں مسلمانوں کو طمع و لالچ اور حرص و آز کی بیماری کے تباہ کن اثرات سے آگاہ کیا گیا ہے اور فرمایا ہے کہ صرف خدا کے دیئے ہوئے رزق پر ہی راضی رہنا چاہیئے کیونکہ وہ سراسر رحمت اور برکت کا موجب ہوتا ہے اور اس زندگی کے بعد بھی کام آتا ہے۔ جبکہ حرص و طمع کا یہ انجام ہوتا ہے کہ انسان پہلا بھی کھو بیٹھتا ہے۔ دنیا میں بھی خسارہ میں رہتا ہے اور آخرت میں بھی گھاٹے میں رہے گا۔ پس اسلام دوسرے کے ملک پر طمع کی نظر رکھنے اور دوسری اقوام پر تعدی کرنے سے منع کرتا ہے۔ اگر دنیا کی تمام قومیں یہ اصل اپنا لیں تو بہت جلد دنیا میں امن قائم کیا جا سکتا ہے۔

امنِ عالم سے متعلق پانچواں قرآنی اصل

یہ وارد ہوتا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ، وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۝ (سورہ مائدہ ۹) یعنی اے ایماندارو! اپنے تمام کاموں کو خدا (کی رضا حاصل کرنے) کیلئے کرو اور انصاف سے دنیا میں معاملہ کرو۔ کسی قوم کی (گزشتہ) دشمنی ہرگز تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم عدل اور انصاف کا معاملہ نہ کرو۔ تم بہرحال انصاف کی بات کرو کیونکہ یہ چیز تقویٰ اور پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی ڈھال بناؤ اور اسی کا تقویٰ اختیار کرو یقیناً وہ تمہارے کاموں سے پوری طرح آگاہ ہے۔

اگر دنیا کی مختلف اقوام عدل و انصاف کے متعلق اسلام کا یہ نظریہ قبول کر لیں تو بین الاقوامی تعلقات بالکل سدھر سکتے ہیں۔

افسوس کہ آج کی دنیا میں کوئی ایک قوم بھی ایسی نظر نہیں آتی جو اس اصل قرآنی کے مطابق معاملہ کر رہی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ تمام عالم ابتری اور بدامنی کا شکار ہے۔ جب کبھی انصاف کا معاملہ آتا ہے قومیں اپنے گزشتہ بدلے لینا شروع کر دیتی ہیں۔

معاہدات اور امن عالم — چھٹا قرآنی اصل

معاہدات کے متعلق اسلام کا اصولی حکم یہ ہے کہ لَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَى مِنْ أُمَّةٍ ط یعنی تم اس خوف سے کہ کوئی قوم کسی دوسری قوم کے مقابلہ میں زیادہ طاقتور نہ ہو جائے اپنی قسموں کو آپس میں دھوکہ دینے اور رسوخ بڑھانے کا ذریعہ بناتے ہوئے اس عورت کی طرح مت بنو جس نے اپنا (محنت سے کاتا ہوا) سوت (اسکے) مضبوط ہو جانے کے بعد توڑ کر پارہ پارہ کر دیا (نحل ۹۳)

اس آیت میں ایک اچھے معاہدہ کی شرائط بیان کی گئی ہیں۔ اول معاہدہ کا مقصد دھوکہ دہی نہ ہو۔ دوم معاہدہ کے نتیجہ میں لازماً کسی قوم کو غلام بنانا مطلوب نہ ہو۔ سوم معاہد قوم کو کمزور کرنا اور اس کی ساکھ اور وقار کو داغدار کرنا مقصود نہ ہو۔ جو معاہدہ ان شرائط کو پورا نہیں کرے گا وہ ناقص کہلائے گا اور ناقص معاہدہ امن قائم کرنے کی بجائے اس کی تباہی اور بربادی کا موجب ہوا کرتا ہے۔

تخفیف اسلحہ کا مسئلہ:۔ اسلام اصولاً تخفیف اسلحہ کا مخالف ہے۔ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ (انفال آیت ۶۱) یعنی اپنے طور پر دفاع کی پوری تیاری کرو تا تمہارا ضعف قومی دوسروں کو تمہارے خلاف جنگ کرنے پر نہ اکسائے۔

تاہم تخفیف اسلحہ کے ضمن میں اگر کوئی معاہدہ عملی صورت میں ظہور پذیر ہو تو اس معاہدہ کے لئے ضروری ہونا چاہیئے کہ مذکورۃ الصدر تین شرائط کو پورا کرے لیکن یہاں یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ ظاہر طور پر اسلامی تعلیم کی روشنی میں تخفیف اسلحہ کا معاہدہ کر لینا مفید ثابت نہ ہوگا جب تک کہ معاہدہ کی شرائط کی کماحقہا نگرانی کرنے کے لئے تمام رکن ممالک کی نمائندگی کے ساتھ ایک "نگران کمیٹی" تشکیل نہ دی جائے۔

امن عالم اور ساتواں قرآنی اصل

لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ (حجرات ۱۲) یعنی کوئی قوم اپنے زعم کے مطابق کسی دوسری قوم کو حقیر یا کمتر خیال کرتے ہوئے اس کو ہنسی یا مذاق کا نشانہ نہ بنائے۔ تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (آل عمران ۱۴۱) یہ (غلبہ کے) دن ایسے ہیں کہ ہم انہیں لوگوں کے درمیان نوبت بہ نوبت پھراتے رہتے ہیں۔ پس امن عالم کے لئے یہ ایک نہایت ہی زریں اصول ہے کہ کوئی قوم دوسری قوم پر اپنی برتری جتا کر اس کے جذبات حربیہ کو نہ ابھارے۔

حق تنسیخ اور اسلامی نظریہ:۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جنگوں وغیرہ کو دور کرنے کے لئے اقوام متحدہ کا ایک ادارہ بنایا۔ اس ادارہ میں بعض قوموں یا ممالک کو دوسروں کی نسبت زیادہ حقوق دیئے گئے۔ چند بڑے ملکوں کو حق استرداد یعنی ویٹو پاور کی رعایت

بھی دی گئی۔ یہ چیز قومی برتری پر دلالت کرتی ہے۔ اسلامی تعلیمات کی بنیاد عالمگیر مساوات اور عالمگیر اخوت پر ہے اسلئے وہ ہر بھائی کو برابر کے حقوق دیتا ہے خواہ بڑا ہو یا چھوٹا، خواہ امیر ہو یا غریب۔ پس اسلامی نظریہ کی رُو سے حقِ تنسیخ بالکل ناواجب اور سخت نقصان رساں رعایت ہے۔ "ادارہ اقوامِ متحدہ" کے ناکام ہونے کی بڑی وجہ "حقِ تنسیخ" کی ہی لعنت ہے۔

امنِ عالم کیلئے اسلام کا پیش کردہ آٹھواں اصل

اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا (متفق علیہ) یعنی اے مسلمان تُو اپنے بھائی کی مدد کر ظالم ہونے کی صورت میں بھی اور مظلوم ہونے کی صورت میں بھی۔ ظالم کو ظلم سے منع کر اور اسکے نفس کو گنہگار ہونے سے بچا، مظلوم کو دوسروں کے جور و ستم سے بچا۔ اس اصل میں حبِ وطن اور حبِ انسانیت کے جذبات کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اگر ہر ملک کے شہری ان دونوں قسم کے جذبات کو اکٹھا کر لیں تو دنیا میں خود بخود امن قائم ہو جائے گا۔

امنِ عالم کیلئے اسلام کا پیش کردہ نواں اصل

مذہبی اختلافات بھی امنِ عالم کیلئے سخت خطرناک ثابت ہوئے ہیں۔ تاریخِ عالم سے بے شمار ایسے واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں جو مذہب کی بنیاد پر لڑے گئے۔ موجودہ زمانہ میں صرف اسلام ہی ان اختلافات کی موجودگی میں بھی انکے بُرے اثرات کو رفع کرنے کے لئے ایک جامع پروگرام پیش کرتا ہے اور وہ ہے تمام مذہبی رہنماؤں کی عزت و تکریم کا قیام اور مذاہب کی باہمی رواداری اور اتحاد پر زور۔ اسلام اس بات کو جزوِ ایمان قرار دیتا ہے کہ ہر قوم کی طرف ایک ہادی اور رہنما بھیجا گیا ان کا احترام کرنا ہمارا فرض ہے، بلکہ اسلام تو اس حد تک مذہبی رواداری کا حامل ہے کہ بتوں تک کو بُرا بھلا کہنے سے منع کیا گیا ہے۔ اگر تمام مذاہب کے پیرو اس اصل کو تسلیم کر لیں تو دنیا کے وہ تمام مذہبی تنازعات ختم ہو جائیں جن سے امنِ عالم خطرہ میں پڑ سکتا ہے۔

اسلام نے جنگوں کی اجازت دی ہے تو صرف دفاعی طور پر اور یہ چیز امنِ عالم کو برباد نہیں کرتی بلکہ مضبوط کرتی ہے ہر کامیاب دفاعی جنگ دشمن کے جارحانہ عزائم کو کم کرنے کا باعث بنتی ہے۔ بنیادی طور پر اسلام لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کا قائل ہے۔

امنِ عالم کیلئے اسلام کا پیش کردہ دسواں اصل

اسلام نے ہمسائیگی کے رشتہ کو بہت اہم رشتہ قرار دیا ہے اور اس ضمن میں بڑی صراحت کے ساتھ قرآن و حدیث میں ارشادات وارد ہوئے ہیں۔ اسلام میں ہمسائیوں سے حسنِ سلوک کو عبادت سے بھی بڑھ کر درجہ دیا گیا ہے پس اگر تمام دنیا کو ایک شہر تصور کر لیا جائے اور تمام ممالک کو اس عظیم شہر کے اجزائے ترکیبی یعنی گھر، اور پھر اسلام کے پیش کردہ ہمسائیگی کے احکامات پر عمل کیا جائے تو یہ دنیا جو کہ دار الحرب بنی ہوئی ہے آن کی آن میں "دار السلام" بن سکتی ہے۔ کوئی ہمسایہ ملک دوسرے ملک کے لئے ناجائز تکلیف کا باعث نہیں بنے گا۔ اس کے ساتھ غیر واجب اور ناجائز سلوک نہیں کریگا، بلکہ اس کی مشکلات کے حل کرنے میں اسکی مدد کریگا۔ قحط میں غلہ مہیا کر کے مدد کریگا، وبا یا بیماری کی صورت میں طبی امداد پہنچائے گا، اسی طرح دوسرے مصائب میں اپنے پڑوسی ملک کا شریکِ حال بنے گا۔ اس طرح دونوں ممالک میں ایک دوسرے کیلئے محبت اور اخوت کے جذبات جنم لیں گے اور خرابیٔ امن کا خطرہ پیدا ہی نہیں ہوگا۔ ہمسائیگی کے تعلقات کو زیادہ مضبوط بنانے کے لئے اسلام نے تحفے تحائف

دینے پر بھی زور دیا ہے۔

امنِ عالم کیلئے اسلام کا پیشکردہ گیارھواں اصل

اب ہم عالمی امن کے سلسلہ میں اسلام کا ایک نہایت ہی زرّین اصل پیش کرتے ہیں۔ یہ اصل "امنِ عالم کی خاطر مجلس بین الاقوام کا اسلامی نظریہ" بیان کرتا ہے۔ سورہ حجرات آیت ۱۰ میں آتا ہے وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ج فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ج فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○ یعنی اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اُن دونوں میں صلح کرا دو۔ لیکن اگر اس کے باوجود بھی ان میں سے ایک دوسرے پر چڑھائی کرے تو سب متحد ہو کر اس چڑھائی کرنیوالے کے خلاف جنگ کرو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پس اگر وہ اس امر کی طرف مائل ہو جائے تو عدل کے ساتھ ان (دونوں محارب گروہوں) میں صلح کرا دو۔ اور انصاف کو (بہرحال) مدنظر رکھو (اور مروّت سے کام لو) یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنیوالوں کو بہت پسند کرتا ہے۔

یہاں اس ابہام کو دور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آیتِ موصوفہ میں تو صرف مومنین کا ذکر ہے۔ واضح ہو کہ قرآن کے اوّل مخاطب مسلمان ہیں اسلئے مومن کا لفظ ہی استعمال ہونا چاہیئے تھا۔ مسلمان قومیں ہی مسلمان قوموں کے درمیان فیصلہ کرائینگی اور مسلمان مسلمان کا ہی فیصلہ قبول کرینگے۔ مگر جہاں تک ایک "بین الاقوامی مجلسِ امن" کا تعلق ہے یہ آیت ساری قوموں کیلئے یکساں فائدہ مند ہے۔ مومن بھی تو آخر انسان ہی ہوتے ہیں۔

اب ہم اس آیت کی روشنی میں اس مجلس کا "دستور العمل" وضع کرتے ہیں:۔

(ا) جب دو قوموں میں کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے اور فتنہ کی آگ بھڑکنے کا اندیشہ ہو تو دوسری قومیں ذیل کا طرزِ عمل اختیار کریں:۔

(۱) وہ خود دو بلاکوں میں ہرگز نہ بٹ جائیں بلکہ اوّلاً بالکل غیر جانبدار رہیں اور اتحادی نہ بنیں۔

(۲) لڑائی اور فساد کے آثار ظاہر ہوتے ہی دوسری اقوام فوراً اُن دونوں قوموں کو مجبور کریں کہ وہ "قوموں کی مجلس" میں اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرائیں۔ (ملاحظہ ہو آیت کا یہ حصہ:۔ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا)

(ب) اگر ان میں سے ایک فریق مجلس بین الاقوام کے فیصلہ کو نہ مانے اور شرارت سے باز نہ آئے بلکہ لڑائی کرنے پر بدستور قائم رہے تو دوسری تمام اقوام اسی فریق کی مدد کریں جو صلح پر آمادہ ہے اور اکٹھے جنگ کرنیوالی قوم سے لڑیں (ملاحظہ ہو آیت کا یہ حصہ:۔ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ)

(ج) چونکہ ایک قوم دنیا کی باقی تمام قوموں کا مقابلہ نہیں کر سکتی لازماً وہ جلد ہی ہوش میں آجائیگی اور صلح کے سوا اسکے پاس کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ پس جب ایسی حالت ہو جائے اور یہ قوم جنگ بند کر دے تو دوسری تمام قومیں بھی جنگ بند کر دیں۔ محارب قوم کو بالکل تباہ نہ کیا جائے۔ (ملاحظہ ہو آیت کا یہ ٹکڑا: فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ)

(د) جب لڑنے والی قوم امر اللہ کی طرف لوٹ آئے اور جنگ بند کر دے تو اصل جھگڑے کے متعلق باہمی تصفیہ کرایا جائے

اور جن قوموں کے باعث جنگ ہوئی تھی ان میں مصالحت کرا دی جائے۔ باقی قومیں صرف صلح کرائیں گی۔ وہ فریق ثانی نہیں ہوں گی بلکہ ان کا کام فریق ثالث کا ہوگا۔ (ملاحظہ ہو آیت کا یہ جزو: فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ)

(۳) اس وجہ سے کہ ایک قوم نے ابتداءً صلح سے انکار کر دیا تھا اس پر بے جا ظلم نہ ڈھایا جائے۔ جو بھی معاہدہ طے پائے یا تنازعہ کا جو بھی فیصلہ ہو وہ انصاف پر مبنی ہو۔ دوسری اقوام باوجود شریک جنگ ہونے کے ہرگز جنبہ داری سے کام نہ لیں۔ (ملاحظہ ہو آیت کا یہ حصہ:۔ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ط)

دنیا میں جنگوں کو روکنے کے لئے کوئی بھی بین الاقوامی ادارہ "اگر" اسلامی مجلس بین الاقوام" کے مذکورہ بالا لائحہ عمل کو اختیار کرے تو وہ حصولِ امن میں زبردست کامیابی حاصل کر سکتا ہے کیونکہ اسلام جس ادارہ کے قیام کی تجویز پیش کرتا ہے وہ لوگوں کے رحم و کرم پر نہیں بلکہ وہ ایک مؤثر اور جاندار ادارہ ہے۔ "لیگ آف نیشنز" کیوں ناکام ہوئی؟ کیونکہ اس میں جان نہیں تھی۔ یہی حال اب یو۔این۔او کا ہے۔ سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی کے اجلاس محض تکلف بن کر رہ گئے ہیں۔ جب تک یو۔ این۔ او اسلامی مجلس اقوام کا منشور اختیار نہیں کرتی اس کا مقصد اس حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا کہ ؏

نشستند و گفتند و برخاستند!

خلاصہ اس تمام بحث کا یہ ہے کہ اگر دنیا جنگ و جدال، فتنہ و فساد اور لڑائی جھگڑوں سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہے تو اسلامی اصولوں کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالے اور اسلامی ضابطہ حیات کو اپنائے۔ اسلام کا یہ چیلنج دنیا پر قائم رہے گا کہ جب تک اسلام کے بتائے ہوئے امن کے اصولوں پر عمل نہیں کیا جائے گا دنیا کبھی حقیقی سکھ اور چین نہیں پا سکے گی بلکہ ہمواره اضطراب اور بے چینی میں گرفتار رہے گی۔

پس ہم انتظار کرتے ہیں کہ کب دنیا کو ہوش آتی ہے، تا وہ اسلام کا زندگی بخش پیغام قبول کر کے امن اور سلامتی کی وارث بنے۔

خریداران "خالد" کیلئے ضروری اعلان

جناب پوسٹماسٹر جنرل لاہور نے رسالہ کی ترسیل میں باقاعدگی پیدا کرنے کے سلسلہ میں ہدایت جاری کی ہے کہ ہر جگہ کے خریدار اپنے اپنے ڈاکخانہ میں اپنے نام رجسٹر کروالیں۔ اس بارے میں ان کی طرف سے ہر جگہ کے پوسٹماسٹر صاحبان کو بھی ہدایات دیدی گئی ہیں۔ اس طرح رسالہ جات ضائع ہونے سے بچ سکیں گے۔ خریدار اصحاب اس بارہ میں پورا پورا تعاون کرتے ہوئے اپنے نام اپنے ہاں کے ڈاکخانہ میں رجسٹر کروالیں تاکہ آپ کو رسالہ باقاعدہ ملتا رہے۔

(مینجر "خالد")

احادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۳۸- اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ۔

ترجمہ: سفر عذاب و تکلیف کا ایک حصہ ہے۔

تشریح:- اس حدیث کا ہرگز یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ سفر میں انسان کو تکالیف برداشت کرنی پڑتی ہیں اسلئے سفر اختیار نہ کیا جائے بلکہ یہ حدیث اپنی ذات میں جہاں سفر اختیار کرنے پر آمادہ کرتی ہے وہاں وہ سفر کی احتیاطوں اور ذمہ داریوں کی طرف خاص توجہ دلاتی ہے۔ سفر اختیار کرتے وقت اگر اس حدیث شریف کو ملحوظ رکھا جائے تو انسان نہ صرف ایسے سفر میں کامیابی حاصل کرتا ہے بلکہ سفر کے دُور رس نتائج مثمرہ سے انسان مستفید ہوتا ہے اور ایسے آدمی کی زندگی مسرت اور شادمانی سے گزرتی ہے۔

کوئی سفر اختیار کرنے سے قبل سب سے پہلے سفر کے نصب العین پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے۔ بعد ازاں اس نصب العین کے حصول کے ذرائع و اسباب پر۔ اگر تجارت مدنظر ہے تو اس کے لئے الگ تفکیر ہوگی اور اگر تعلیم مدنظر ہے تو وہ تفکیر الگ نوعیت کی ہوگی۔ اپنے اس نصب العین میں تمام مشکلات اور ان کے حل پر بھی غور کرنا چاہیئے۔

سفر میں انسان کو بہت آرام چھوڑنا پڑتا ہے۔ اپنے ماحول، اقارب، والدین، اہل و عیال کی جُدائی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ دوسرے ملک کی آب و ہوا سے واسطہ پڑتا ہے اسلئے سفر اختیار کرتے وقت جملہ احتیاطوں کو اختیار کرنا پڑتا ہے۔ نیز کوشش کی جائے کہ کام ختم ہونے کے بعد جلد سے جلد گھر واپس آئے کیونکہ گھر کے مالک کی غیر حاضری سے گھر کا نقشہ و حالت بدل جاتی ہے۔ یہاں عذاب کے معنے تکلیف، اور سکون کے فقدان کے ہیں۔

۳۹- اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ

ترجمہ:- مجالس دیانت و امانت کے آداب کے ساتھ منعقد ہونی چاہئیں۔

تشریح:- کسی مجلس یا سوسائٹی میں شامل ہونے کیلئے کئی شرائط اور اصول کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ انتخاب کرنے والا اور جس شخص کو اس کام یا سوسائٹی کے لئے منتخب کیا جائے۔ اس میں یہ اہلیت و قابلیت ہونی چاہیئے کہ وہ اس کام کو سنبھال سکے۔ جنبہ داری اور کنبہ پروری کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بغیر کسی لالچ اور رشوت کے مستحق قابل شخص کا انتخاب کرنا چاہیئے۔ علاوہ ازیں سوسائٹی یا اجلاس میں بعض امور کو بصیغۂ راز رکھنا پڑتا ہے۔ اگر اجلاس کی کارروائی کو وقت سے پہلے ختم کر دیا جائے تو کئی قسم کی قباحتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس حدیث میں ہر شخص کی ذمہ داری کیلئے اساسی امر دیانت اور امانت کو شمار کیا گیا ہے۔ جلسوں میں گڑبڑ پیدا کرنے اور غلط فتنہ انگیز نعرے لگانے سے پرہیز کرکے بھی اپنے مقصد کو حاصل کیا

(ملفوظات سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام)

بیعت کے وقت دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا اقرار لینے کی وجہ

"تم دیکھتے ہو کہ میں بیعت میں یہ اقرار لیتا ہوں کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا یہ اس لئے تا کہ میں دیکھوں کہ بیعت کنندہ اس پر کیا عمل کرتا ہے۔ ذرہ سی نئی زمین کسی کو مل جاوے تو وہ گھر بار چھوڑ کر وہاں جا بیٹھتا ہے۔ اور ضروری ہوتا ہے کہ وہ وہاں رہے۔ تا کہ وہ زمین آباد ہو .... پھر ہم جو ایک نئی زمین ـــ اور ایک ایسی زمین دیتے ہیں جس میں اگر صفائی اور محنت سے کاشت کی جاوے تو ابدی پھل لگ سکتے ہیں۔ کیونکہ یہاں آ کر لوگ گھر نہیں بناتے اور اگر اس بے احتیاطی کے ساتھ کوئی اس زمین کو لیتا ہے کہ بیعت کے بعد یہاں آنا اور چند روز ٹھہرنا بھی دوبھر اور مشکل معلوم دیتا ہے تو پھر اس کی فصل کے پکنے اور بار آور ہونے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔"

(الحکم ۲۴ جولائی سنہ ۱۹۰۲ء)

کلام الامام امام الکلام

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی مندرجہ ذیل حیا تگداز نظم ۱۹۳۲ء میں جلسہ سالانہ کے موقع پر ۲۷ دسمبر کو پڑھی گئی تھی۔ اسے حضور نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کرام کی طرف سے رقم فرمایا تھا۔ اُن دنوں جماعتِ احمدیہ کے خلاف احرار کی معاندانہ تحریک زوروں پر تھی۔ حضرت اقدس کے مندرجہ ذیل نوٹ سے اس نظم کے پس منظر پر روشنی پڑتی ہے:۔

"یہ نظم ان حالات کو مدنظر رکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پُرانے صحابہ کی طرف سے لکھی گئی ہے۔ عاشقِ صادق کو جب محبوب سے روکنے کی کوشش کی جائے تو اس کے خیالات اَور بھی زیادہ اپنے محبوب کی طرف مائل ہوتے ہیں اور عشق کا جنون اَور بھی ترقی کرتا ہے۔ اِس امر کے اظہار کیلئے یہ نظم لکھی گئی ہے۔" (الفضل یکم جنوری ۱۹۳۲ء) — (ادارہ)

چھلک رہا ہے مرے غم کا آج پیمانہ
کسی کی یاد میں میں ہو رہا ہوں دیوانہ

زمانہ گزرا کہ دیکھیں نہیں وہ مست آنکھیں
کہ جن کو دیکھ کے میں ہو گیا تھا مستانہ

وہ شمع رُو کہ جسے دیکھ کر ہزاروں شمع
بھڑک اُٹھی تھیں بسوزِ ہزار پروانہ

وہ جس کے چہرہ سے ظاہر تھا نورِ ربّانی
ملک کو بھی جو بناتا تھا اپنا دیوانہ

کہاں ہے وہ کہ مَلوں آنکھیں اُسکے تلووں سے
کہاں ہے وہ کہ گروں اُس پہ مثلِ پروانہ

وہ صحبتیں کہ نئی زندگی دلاتی تھیں
وہ آج میرے لئے کیوں بنی ہیں افسانہ

وہ یار جس کی محبت پہ ناز تھا مجھ کو
کوئی بتاؤ کہ کیوں ہو رہا ہے بیگانہ

جو کوئی روک تھی اُس کو یہاں پہ آنے کی
بُلا لیا نہ وہیں کیوں نہ اپنا دیوانہ

نہ چھیڑ دشمنِ ناداں نہ چھیڑ کہتا ہوں
چھلک رہا ہے مرے غم کا آج پیمانہ

تری نصیحتیں بیکار تیرے مکر فضول
یہ چھیڑ جا کے کسی اَور جا یہ افسانہ

چھڑائے گا بھلا کیا دل سے میرے یاد اسکی
تُو اَور مجھ کو بناتا ہے اس کا دیوانہ

نہ تیرے ظلم سے ٹوٹے گا رشتۂ الفت
نہ حرص مجھ کو بنائے گی اس سے بیگانہ

ہے تیری سعی دلیلِ حماقتِ مطلق
ہے تیری جدّوجہد ایک فعلِ طفلانہ

ترا خیال کدھر ہے یہ سوچ اے ناداں
رہا ہے دُور کبھی شمع سے بھی پروانہ

حدیثِ مدرسہ و خانقاہ مگو بخدا
فتاد بر سرِ حافظ ہوائے میخانہ!

مکرم منور احمد صاحب چوہدری
ایم۔ اے (فائنل) راولپنڈی

ضرورتِ مذہب

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ دنیا میں ہر چیز کی بقا اور دنیوی کاموں کے صحیح طور پر انجام پانے کے لئے اشیاء میں باہم ربط اور نظم ضروری ہے۔ مشاہدہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے مثلاً انسانی جسم کو لیں۔ حیاتِ انسانی کے لئے ضروری ہے کہ اس میں ایک ربط اور نظم ہو۔ جس انسان کے اعضاء میں جس قدر زیادہ ربط و نظم ہوگا اسی قدر اس میں فعالیت زیادہ ہوگی۔ یونان کا عظیم فلاسفر ارسطو اسی ترتیب اور نظم کو حسن سے تعبیر کرتا ہے بہرحال انسانی جسم کی حیات، جسم کے مختلف اعضاء کی باہم ترتیب و نظم کے تابع ہیں۔ ؎

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے انہی اجزاء کا پریشاں ہونا

یہی حالت ہمیں دنیا کی دوسری چیزوں میں بھی ملتی ہے ہر چیز کا ایک دوسرے سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے دو مختلف گیسوں (ہائیڈروجن اور آکسیجن) کا امتزاج پانی کو وجود دیتا ہے۔ پانی دیگر اشیاء سے مل کر نئے نئے وجودوں کو حیات دیتا ہے۔ مختصراً کارخانۂ کائنات میں ایک ضبط اور نظم موجود ہے۔ یہی نظم زندگی کا باعث ہے (حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس ضبط و نظم کو خدا تعالےٰ کی ہستی کے لئے ایک دلیل کے طور پر پیش فرمایا ہے)۔

مذہب ابتدائے آفرینش سے حیاتِ انسانی میں نہایت اہم فرائض سر انجام دیتا رہا ہے اس میں مبالغہ نہ ہوگا اگر کہیں کہ ماضی میں انسان نے تہذیبی اور تمدّنی لحاظ سے جو ترقیات بھی کی ہیں ان میں زیادہ دخل مذہب کا تھا۔ اکابرینِ مذہب نے اپنی تعلیمات سے وحشی انسان کو مہذّب انسان بنایا۔ اسے متمدّن زندگی گزارنے کی توجہ دلائی اور اس کی منتشر قوتوں کو یکجا کر کے انہیں زندگی کے ارتقاء کے لئے مفید بنایا۔ ماضی میں حاصل شدہ علوم و فنون، جملہ انسانی ترقیات ایک منطقی نتیجہ ہے، اس منظم زندگی کا جس کی تلقین مذہب کرتا ہے۔ افراد اگر انفرادی جذبات کی پیروی کو ہی مطمح نظر بنالیں تو نہ تو وہ خود ترقی کر سکتے ہیں اور نہ دیگر بنی نوع انسان۔ کیونکہ حیاتِ انسانی ترتیب ہی اس طور پر دی گئی ہے کہ انسان کے لئے لازم ہے کہ وہ سماجی فرائض کو ہمیشہ بجالاتا رہے۔

زندگی کے ارتقاء کے لئے ایک اور ضروری چیز اخلاقی شرائط کو پیشِ نظر رکھنا ہے۔ جو فرد اخلاقی طور پر پست ہے وہ زندگی کے جملہ شعبہ جات میں بھی پست ہوگا۔ یہی حالت قوموں پر بھی صادق آتی ہے۔ صحیح ترقی کے لئے لازمی ہے کہ اخلاقی فرائض کو سر انجام دیا جائے

اور کوشش کی جائے کہ انسان کا اخلاقی معیار بلند تر ہوتا رہے۔ یہ حقیقت تو ثابت شدہ ہے کہ اخلاقی رفعت کیلئے جس قدر زور مذہب دیتا ہے۔ انسانی ذہن کے پیداوار 'ازم' نہیں دیتے۔

موجودہ زمانہ ـــــ سائنسی اور علمی ترقیات کا زمانہ ـــــ جس نے جہاں ایک طرف انسان کو قسما قسم کی مادی سہولتیں بہم پہنچائیں وہاں اسکے ساتھ کچھ ایسے تصورات اور نظریات انسانی شعوری زندگی میں گھس آئے جنہوں نے اسکے ذہنی توازن کو ضعف پہنچایا۔ اور نظریاتی اعتبار سے انسانی زندگی میں افراتفری کی سی حالت پیدا کر دی۔ ان نظریات کی ایک پیداوار یہ بھی ہے کہ انسان مذہب روایت اور قدیم معتقدات سے دن بدن عاری ہوتا جا رہا ہے۔ زندگی کی جملہ گتھیوں کو سلجھانے کے لئے وہ اپنے ذہن پر بھروسہ کرتا ہے۔ انفرادیت، انفرادیت کا غوغا، موجودہ علمی مجالس میں سنا جاتا ہے۔ اس صورت حال کے مختصر تجزیہ کے لئے ہمیں ایک صدی پیچھے جھانکنا ہوگا۔

یورپ میں نشاۃ الثانیہ (Renaissance) کے بعد وہاں کے لوگ یونانی علوم سے آگاہ ہوئے۔ یہ نظریات زیادہ تر اشتراکی مکتبِ خیال سے تعلق رکھتے تھے بیشتر یونانی مفکرین کا رجحان مادی رہا ہے اس لئے انکے خیالات کے اثرات سے یورپ کے لوگوں میں جہاں ایک طرف ذاتی تجربات کو داستان پارینہ پر فضیلت دینے کا شوق پیدا ہوا وہاں اجتماعی طور پر یورپین لوگ مادیت کی طرف زیادہ مائل ہوگئے۔ انہی تعلیمات کے نتیجے میں

یورپ میں صنعتی انقلاب آیا جس نے اور بھی قیامت ڈھا دی۔ عام آدمی کو اپنی قوت کا احساس ہوا کیونکہ اب اسکی محنت کا نتیجہ مزدوری کی صورت میں فوراً مل جاتا تھا۔ عام لوگوں میں انفرادی شخصیت پرستی اس طرح پیدا ہوئی۔ دوسری طرف انسانی فطرت کی عام کمزوریوں کی وجہ سے کارخانہ داروں نے دولت کو سمیٹنا شروع کیا۔ اور اس طرح دولت مند اور مزدور میں فرق دن بدن بڑھتا گیا۔ دولت مند اور زیادہ دولت مند ہوتا گیا۔ اور مزدور کو اپنی محرومی کا احساس شدید سے شدید تر ہوتا گیا۔

دولت کی اس غلط تقسیم کے نتیجے میں ردِ عمل کے طور پر چند نئے نظریہ حیات نے جنم لیا جن میں کمیونزم سب سے زیادہ قابلِ ذکر ہے۔

کمیونزم جو دولت کی غلط تقسیم کی وجہ سے وجود میں آیا تھا۔ اس نے اعتدال کو چھوڑتے ہوئے ان تمام امور کو غلط کیا جو کسی نہ کسی رنگ میں سرمایہ داری کو مدد دیتے تھے۔ سرمایہ داری نظام میں چونکہ اہمیت 'فرد' کی ذات کو دی جاتی ہے۔ اور مذہب بھی فرد کو سماجی زندگی میں بنیادی مقام دیتا ہے اور اس کی اصلاح اور ترقی پر زور دیتا ہے اس لئے اسنے سرمایہ داری کے عناد میں مذہب کو بھی ملعون قرار دیا۔ کمیونزم نے مغربی سرمایہ داری کے افراط کے پہلو کے ردِ عمل میں ایک ایسے نظام کو رائج کیا جو خالص مادی قدروں پر مبنی ہے۔ انسانی فضیلت، ترقی سب کو اس نے مادی سامانوں کے تابع قرار دیا۔ یعنی انسانی خیالات اور تصورات بھی مادی سہولتوں کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں مذہب کا بنیادی تصور 'خدا پر یقین'، خود چونکہ انسانی ذہن

ذاتی فضیلت بڑھانے کا باعث بنتا ہے، کمیونزم نے خدا کے وجود کی بھی نفی کر دی اور کائنات رنگ و بو کی تمام رنگینیوں اور رعنائیوں کو مادے کی تخلیق قرار دیا۔ تخیل تصور اور نظریات پر مادی امور کو ترجیح دی اور اس طرح انسان کی روحانی زندگی کا قلع قمع کرنا چاہا۔

مذکورہ بالا نظریاتی پس منظر بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ناظاہر ہو جائے کہ موجودہ زمانے میں لامذہبی کی رو کس طرح چلی۔ یہ تو مسلمہ بات ہے کہ موجودہ زمانے کے لوگ مغربی نظریۂ حیات اور کمیونزم سے ہی متاثر ہیں۔ اور یہی وہ نظام ہیں جو اپنے مادی تصورات اور اسی زندگی کو سب کچھ قرار دیکر لامذہبی کا باعث بن رہے ہیں۔ ان حالات میں مناسب ہوگا کہ بتایا جائے مغربی سرمایہ داری اور کمیونزم میں درمیانی راہ کونسی ہے۔ اور انسانی زندگی میں صحیح توازن پیدا کرنے کے لئے کیا کچھ ضروری ہے۔

——— یہی مذہب ہے۔ یہ موازنہ ثابت کرے گا کہ انسانی مسائل کا حل نہ امپیریلزم کے پاس ہے اور نہ کمیونزم کے پاس۔ آج پریشان انسانیت اور حیران و راہ گم کردہ لوگوں کو منزل پر پہنچانے اور انہیں ابدی زندگی عطا کرنے کے لئے ایک معتدل نظریۂ حیات کی ضرورت ہے اور یہ نظریۂ حیات مذہب ہے۔ بالخصوص مذہبِ اسلام۔

مذہب کے بنیادی ارکان میں سب سے بڑا رکن خدا تعالیٰ پر ایمان ہے۔ خدا تعالیٰ جو تمام اعلیٰ صفات کا منبع ہے وہ انتہا ہے تمام بزرگیوں کی۔ مذہب کہتا ہے کہ تم اسکی دل و جان سے پرستش کرو۔ صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ کے فرمان کے پیشِ نظر اس کے رنگ میں خود کو رنگ لو اور کوشش کرو کہ تم اس ذات عالی کے مظہر بن جاؤ۔ اخلاقی لحاظ سے۔ اس سے بڑی فضیلت اور کوئی نہیں کہ انسان تمام اعلیٰ صفات بیک وقت اپنے اندر جمع کرے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کی ایک سب سے بڑی صفت اس کا عادل ہونا ہے۔ پس جو انسان اسکے رنگ میں رنگین ہوگا وہ دیگر صفات کے ساتھ عمل کے ساتھ بھی متصف ہوگا۔ اور جب وہ عدل سے متصف ہوگا تو اپنے افعال میں ایک نظم اور ربط اور اعتدال پیدا کرے گا۔ اس نظم اور ربط کی موجودگی رد ہے آج کی سوسائٹی کی جملہ بے راہ رویوں کا۔

کمیونزم اپنے اجتماعی نظام میں انسانی آزادی کو کچل دیتا ہے۔ اس میں فرد کی ذاتی خصوصیات کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ آج کروڑوں انسان اس نظامِ حیات کے تحت زندگی بسر کرنیوالے، انسانی آزادی سے محروم ہیں۔ ان پر ذاتی ترقیات کے دروازے بند ہیں۔ مذہب ——— اسلام اس کے برعکس انسان کو شخصی آزادی دیتا ہے۔ بلکہ وہ تو معاشرے میں Stock of Trade ہی فرد کو قرار دیتا ہے۔ اسلام ایک طرف انسان کو آزادی دیکر اس پر ترقیات کے دروازے کھول دیتا ہے وہاں دوسری طرف خدا تعالیٰ کی صفت ربّ العالمین کے پیشِ نظر اس پر فرض کر دیتا ہے کہ وہ جہاں خود ترقی کرے وہاں دیگر بنی نوع انسان کی ترقی میں بھی اسی طرح کوشاں ہو جیسے کہ اس کا معبود ——— ’رب‘ کوشاں ہے۔ یہ امر آج کے پریشان حال زمانہ کے لئے مذہب کی ضرورت واضح کرتا ہے۔ کیونکہ مذہب کے محض اس ایک نظریہ سے

مغربی سرمایہ داری کی دولت جمع کرنے کی خواہش اور کمیونزم کی انفرادی آزادی کو سلب کر لینے کی قباحتوں کا تدارک ہو جاتا ہے۔

اسلام خدا تعالیٰ کی ذات لا انتہا کو انسان کا معبود قرار دیکر یہ واضح کر دیتا ہے کہ انسان کی ترقیات کی کوئی انتہا نہیں۔ عبادت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عبد معبود کے رنگ میں رنگ جائے۔ اسلام کا معبود اپنی صفات میں لا انتہا ہے پس عبد کی منزل بھی معین نہیں۔ وہ جتنی ترقی بھی کرے اس کے آگے ترقیات کے اور میدان آتے جائینگے۔

ع　ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ موجودہ زمانے میں عوام کی افراتفری اور لالچ اور نفسی نفسی کے محرکات میں سب سے بڑا محرک اس دنیا اور اسکی رنگینیوں کو ہی انتہائے حیات قرار دینے کا مادی نظریہ ہے۔ مذہب کا اُخروی زندگی کا نظریہ ان تمام برائیوں کا علاج ہے۔ جب انسان کو یہ یقین ہوگا کہ یہ زندگی مزرع الآخرۃ ہے تو وہ دنیا کے مادی سامانوں کو اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے صرف میں لائے گا وہ اعلیٰ مقاصد جس سے رُوح لافانی ہو جاتی ہے اور انسان کی حقیقی تسکین کا باعث ہوتے ہیں۔

اسلام خدا تعالیٰ کو (جو مجموعہ ہے تمام اعلیٰ صفات کا) انسان کا معبود قرار دیکر اور اسکی عبادت انسان پر فرض کر کے انسان کو تکمیل شخصیت کے لئے دوسروں کی پیروی کرتا ہے۔ اسلام نے انسان کی اس خصوصیت کے پیش نظر اسے کہا ہے کہ تم اپنی تکمیل کے لئے اس کی پیروی کرو جو سب سے بڑی شخصیت' کا حامل ہے اور وہ ذات اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

آج کی پریشان و حیران انسانیت، سکون اور چین کے لئے بلبلا رہی ہے۔ وہ تقاضا کر رہی ہے کہ کوئی ایسی ذات ہو جو اسے اس طرح دامن میں لے لے جس طرح ماں دکھی بچوں کو گود میں لے لیتی ہے۔ مذہب کہتا ہے کہ تم خدا سے پیار کرو، وہ تم سے پیار کرے گا اور وہ پیار کرنیوالا سب سے زیادہ پیار کرنیوالا ہے۔ پس آج کے زمانے کے لئے مذہب کی اور مذہب کے پیار کرنیوالے خدا کی ضرورت ہے جو دکھی انسانوں کو اپنی محبّت کی گود میں اٹھالے۔

مذہب اخلاقیات پر زور دیکر ایک دوسرے پر اعتبار کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ زندگی کے جملہ کاموں کے صحیح طور پر انجام پانے کے لئے ضروری ہے کہ عوام ایک دوسرے پر بھروسہ اور اعتماد رکھیں۔ یہاں اس دلچسپ امر کا تذکرہ ضروری ہے کہ امریکہ اور روس عرصۂ دراز سے تخفیف اسلحہ کے لئے کوشاں ہیں۔ دونوں چاہتے ہیں کہ اسلحہ میں تخفیف ہو۔ لیکن باوجود خواہش کے وہ اسکی تکمیل میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ انہیں ایک دوسرے پر اعتماد نہیں ـــــ مبادا ایک اسلحہ کم کرے اور دوسرا خفیہ طور پر اسلحہ جمع کرتا رہے ـــــ کاش وہ مذہب کی تعلیمات سے بہرہ ور ہوتے تو یہ بے اعتمادی کی حالت پیدا نہ ہوتی۔ ایک دوسرے پر اعتماد سماجی انسان کے بنیادی فرائض میں داخل ہے اور مذہب اس کو اپنانے کی تلقین کرتا ہے۔

مختصراً موجودہ زمانہ کے حالات اور ماضی کی نظریاتی تاریخ پر نظر دوڑانے سے یہ عیاں ہو جاتا ہے

کہ آج کے حیران و پریشان انسانوں کے لئے جنہیں اپنی منزل نہیں سوجھتی جو اندھیرے میں اندھے فقیر کی طرح ٹھوکریں کھا رہے ہیں ایک نور کی تلاش ہے اور وہ نور صرف مذہب کے پاس ہے جو نہ صرف دنیوی زندگی کو ترقی دینے کی تعلیم دیتا ہے بلکہ اس میں عمل اور انصاف کی بھی تلقین کرتا ہے۔ اور اسے اُخروی زندگی کی ترقیات کے لئے زینہ قرار دیتا ہے۔ آجکل انسانوں کو جو روحانی اور ذہنی بیماریاں لاحق ہیں وہ مغربی سرمایہ داری اور کمیونزم کے مادی تصورات اور ان کے افراط و تفریط کے نظریات کی وجہ سے ہیں۔ انسانی زندگی میں حقیقی مسرت اور اخلاقی اقدار کے قیام کے لئے ایک متوازن اور معتدل راہ کی ضرورت ہے۔ یہ راہ اسلام ہے جس میں سرمایہ داری اور کمیونزم دونوں کی خوبیاں شامل ہیں اور ان کی خرابیوں سے مبرا ہے۔ اسلام ——— خدائی نظام ہے ——— انسانی ذہن کی پیداوار ——— مصنوعی 'ازم' اس جیسی برکات کب اپنے اندر رکھ سکتے ہیں۔ مذہب انسانی زندگی میں ربط اور نظم پیدا کرتا ہے۔ وہ فرد کو فرد نہیں رہنے دیتا بلکہ اسے دوسروں کا بھائی بنا دیتا ہے وہ انسانی تجربات کو ایک لڑی میں پرو کر ان سے اجتماعی طور پر مستفیذ ہونے کے لئے کہتا ہے۔ وہ انسانی منتشر قوتوں میں باہمی ربط پیدا کر کے حیاتِ انسانی کو حقیقی ترقی دیتا ہے اس کا دائرہ عمل اس دنیا سے شروع ہوتا ہے اور ہمیشہ کے لئے انسان کا ساتھ دیتا رہتا ہے ——— وہ آخرت میں بھی اس کی فلاح اور بہبود کے لئے اس کا ساتھی اور معاون ہوتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"ہم ان متواتر نشانوں سے ایسے یقین سے بھر گئے ہیں جیسا کہ سمندر پانی سے بھرا ہوا ہے مگر افسوس کہ ہمارے مخالفوں کو اس آبِ زلال سے ایک قطرہ بھی نصیب نہیں ہوا۔ اس بدقسمتی کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ کوئی قوم نہیں جس میں میرے نشان ظاہر نہیں ہوئے اور کوئی فرقہ نہیں جو میرے نشانوں کا گواہ نہیں"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۹۹)

حضرت المصلح الموعود کے ارشاداتِ عالیہ

"دنیا کی سب قومیں دنیا کی سب طاقتیں دنیا کی سب حکومتیں خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں وہ جس کا بھی چاہے دل بدل سکتا ہے اور تمہارے دشمن خواہ کتنا ہی جتھا رکھتے ہوں تمہارے مقابل میں ہیچ ہیں کیونکہ تم خدا تعالیٰ کی گود میں ہو اور جو تلوار سے کر تمہارے سامنے کھڑا ہوتا ہے وہ تم پر حملہ نہیں کرتا خدا تعالیٰ پر حملہ کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ لوگوں کے دل تمہاری تائید میں پھیر دے گا اور سچائی کو لوگوں پر ظاہر کر دے گا اور یہ مصائب کے بادل فضل کی ہواؤں سے بکھر جائیں گے اور انشاء اللہ تم امن میں آجاؤ گے"

الفضل ۸ راگست ۱۹۵۲ء

صفحہ کالم ۲-۳

لئیق احمد طاہر (ربوہ)

"نامِ نیک رفتگاں ضائع مکن"!

حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ اپنے اسلاف کی یاد دلوں سے مت بھلاؤ جو کبھی ماضی میں قوم وملّت کے لئے خدا تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے لئے اپنی قربانی پیش کرتے ہوئے سرخروئی حاصل کر چکے ہیں حقیقت یہ ہے جو لوگ خدا تعالیٰ کی خاطر فنا اختیار کرتے ہیں وہ آبِ حیات سے سیراب کئے جاتے ہیں اور ہمیشہ کی زندگی پا جاتے ہیں۔

ہم نوجوانانِ احمدیت بھی یہ خواہش رکھتے ہیں کہ ہمارے برگزیدہ اسلاف کا نام ہمیشہ زندہ رہے۔ ہر زمانہ میں ان کے نام لیوا پیدا ہوتے رہیں اور لوگ اُن پر درود پڑھ پڑھ کے ان کے اعلیٰ مراتب کے لئے دعائیں کرتے رہیں۔

ماضی میں جب کہ مذہبِ اسلام کو ضرورت تھی کہ کوئی معمار آئے اور اُس کی کمزور بنیادوں کو مضبوط کر دے، بہت سے فدائیوں نے اپنی قربانی پیش کی۔ شمعِ ہدایت کی ایک آواز پر لاکھوں پروانے دیوانوں کی مانند آئے اور انہوں نے مذہبِ اسلام کی بقاء کیلئے کٹ مرنا قبول کیا۔ کفّار اُن کی نعشوں کو دیکھ کر کہتے کہ یہ لوگ بے جان لاشہ ہیں اور ناکام ونامراد رہے ہیں۔ مگر ہمارے غیور خدا نے عرش سے منادی کی کہ یہی لوگ تو حیاتِ جاودانی کے مستحق قرار دیئے گئے ہیں۔ کیا تم انہیں مُردے کہتے ہو؟ گویا حضرت شیخ سعدیؒ نے خدا تعالیٰ کے اسی ارشاد کو اپنے مصرع میں نصیحت کے رنگ میں بیان فرمایا ہے۔ ع

نامِ نیک رفتگاں ضائع مکن

اس مختصر سے مضمون میں میں اپنے اسلاف میں سے چند نوجوانوں کے سنہری کارنامے تحریر کروں گا تاکہ خدّامِ احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے خدّامِ محمّد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے کارہائے نمایاں مشعلِ راہ بن سکیں اور ہم میں ایک انقلاب پیدا ہو اور دنیا پکار اُٹھے کہ یہی وہ نوجوان ہیں جو خدّامِ محمد عربیؐ کا کامل نمونہ ہیں اور پھر سے چودہ سو سال قبل کا سا سماں پیدا ہو جائے!

● ایک غزوہ میں تین صحابہ کرامؓ شدید زخمی ہوئے یہ صحابہؓ موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ پیاس کی شدّت کی وجہ سے موت کی گھڑی قریب سے قریب تر ہو رہی تھی۔ حلق خشک تھے۔ جسم کے مختلف حصّوں سے خون بہہ رہا تھا۔ درد کی تاب نہ لا کر یہ لوگ تڑپتے تھے کہ یہ انکے بس کی بات نہ تھی۔ ان لوگوں نے اپنی خوشی سے ایک بھاری امانت کی حفاظت کرتے ہوئے یہ زخم کھائے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کی نظر تھی کہ کوئی ساقی آئے اور اس کشمکش سے نجات بخشے۔

اچانک ایک شخص پانی کا مشکیزہ اٹھائے ہوئے لاشوں کو پھلانگتا ہوا ان زخمیوں کے پاس پہنچا اور پانی کا پیالہ ایک کے ہاتھ میں تھما دیا۔ ابھی وہ پیالہ اپنے ہونٹوں سے لگانے نہ پائے تھے کہ سامنے ایک اور ساتھی پر نظر پڑی جو بڑی حسرت سے پانی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آپ کی اسلامی اخوت اور جذبۂ ایثار کے لئے یہ چیز ناقابلِ برداشت ہوگئی کہ خود پانی پی لیں اور آپ کا ساتھی پیاسا ہو۔ فرمایا۔ پہلے ان کو پانی پلاؤ۔ جب پانی اُن کے پاس پہنچا تو اُن کی نظر ایک اور ساتھی پر پڑی جو پیاس کے مارے تڑپ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا پہلے ان کو پانی پلاؤ۔ جب پانی تیسرے ساتھی کے پاس پہنچا تو انہوں نے ایک دوسرے زخمی کی طرف اشارہ کیا کہ پہلے ان کو پانی پلاؤ۔ ساقی اس ایثار کے نمونہ کو دیکھ کر حیران و ششدر بھاگتا ہوا اس چوتھے شخص کے پاس پہنچا۔ مگر وہ تو آب کوثر سے سیراب ہونے کے لئے عالمِ جاودانی کو سدھار چکا تھا!! ساقی واپس دوڑا مگر وہ ایثار اور قربانی کے مجسمے ایک دوسرے پر فدا ہو چکے تھے۔ یہ تھے اسلام کے درخشندہ و تابندہ ستارے حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل، حضرت حارثؓ بن ہشام اور حضرت سہیلؓ۔ ایثار اور قربانی کے کامل نمونے!!

آج خدام احمدیت سے اسی قربانی اور ایثار کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور یہ عہد لیا جاتا ہے کہ ہم اپنی جان، مال، وقت اور عزت کو قربان کرنے کے لئے ہر دم تیار رہیں گے۔ ہمارا فرضِ اولین یہ ہونا چاہیئے کہ اسلام کو قوت اور طاقت پہنچائیں۔ اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہم محض دین کی خاطر ایثار اور قربانی سے کام لیں۔

بکوشید اے جواناں تا بدیں قوت شود پیدا

● ایک مسلمان اپنے باغ کے گرد دیوار تعمیر کرنا چاہتا تھا لیکن بیچ میں ایک دوسرے شخص کا درخت آتا تھا۔ دیوار بنانے کے خواہشمند نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اپنی خواہش کا اظہار کیا اور درخواست کی کہ وہ درخت مجھے دلوا دیا جائے تاکہ میری دیوار سیدھی بن جائے۔ لیکن درخت کا مالک درخت دینا نہ چاہتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُسے حکم دینا نہ چاہتے تھے۔ آپؐ نے اس سے فرمایا۔ اے شخص اگر تو یہ درخت اس حاجت مند کو دیدے گا تو جنت الفردوس میں تجھے ایک درخت ملے گا۔ مگر وہ شخص رضامند نہ ہوا۔ بادِ نسیم نے یہ خبر ایک نوجوان صحابی حضرت ثابت بن وحداحؓ کے کانوں میں پہنچائی۔ آپ فوراً اُس شخص کے پاس پہنچے اور اُس سے کہا "کیا تم میرے باغ کے عوض اس ایک درخت کو تبدیل کرنا چاہتے ہو؟" وہ شخص فوراً رضامند ہو گیا۔ حضرت ثابتؓ جن کی آنکھوں میں جنت الفردوس کے لہلہاتے ہوئے سرسبز و شاداب درختوں کا نقشہ تھا سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ درخت اب میری ملکیت ہے آپ اسے دیوار بنانے والے کے حوالے کر دیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا "ثابت کے لئے جنت میں کتنے درخت ہیں"۔ اس کے بعد ثابتؓ باغ میں گئے اور اپنی بیوی سے کہا اس باغ کو خالی کر دو کہ جنت الفردوس کے صرف ایک درخت کے عوض میں نے اس کا سودا کر لیا ہے۔ اس نیک بخت

خاتون نے کہا "نہایت نفع مند سودا ہے" اور پھلوں سے لدے ہوئے باغ کو جنّت الفردوس کے فقط ایک درخت کے عوض الوداع کہہ دیا۔

● غم و اندوہ میں ڈوبا ہؤا ایک نوجوان ایک نعش کے سرہانے ہاتھ میں دو چادریں لئے کھڑا تھا۔ اُس نوجوان کے اِرد گرد اور بھی بعض نعشیں پڑی تھیں۔ اُسی وقت ایک نعش کے چند اقرباء آئے اور چاہا کہ اُسے دفنائیں مگر غربت اور افلاس کا یہ عالم تھا کہ دو گز کفن کا کپڑا میسر نہ تھا۔ اس نوجوان نے اپنی آہوں پر قابو پاتے ہوئے ان لوگوں کو ایک چادر دیدی اور یہ گوارا نہ کیا کہ اُن کا ایک بھائی بغیر کفن کے دفن یا جائے۔ اور پھر اُس نے اُس مقدس نعش کو دفنایا اِس حالت میں کہ پاؤں کی طرف گھاس تھی اور سر کی طرف چادر (کیونکہ چادر چھوٹی تھی)

یہ نعش تھی حضرت حمزہ شیرِ خدا کی جو عمِ رسولؐ تھے اور اس نعش کو کفن پہنانے کے لئے حضرت زبیرؓ آئے ہوئے تھے۔ ایسے حالات میں جبکہ غم و اندوہ کا طوفان اُمڈا آتا ہو حضرت زبیرؓ نے اپنے مسلمان انصاری بھائی کے لئے جس ایثار کا بے نظیر نمونہ پیش کیا واقعی قابلِ صد ستائش ہے۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمّدٍ وعلیٰ آلِ محمّدٍ۔

اللہ اللہ کیسے لوگ تھے یہ! کہ فرطِ غم میں بھی جبکہ انسان اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے انہیں اپنے مسلمان بھائیوں کا اس قدر خیال رہتا تھا کہ مُردوں میں بھی امتیاز گوارا نہ کرتے اور اُن کی ضروریات سے آنکھیں بند نہ کر سکتے تھے۔

● ایک غمگین صحابی بسترِ علالت پر پڑے تھے اُنہیں اِس بات کا افسوس تھا کہ مسلمان میری عیادت کے لئے کیوں نہیں آتے۔ کہیں مجھ سے کوئی غلطی تو سرزد نہیں ہوگئی۔ ان کا نام قیس بن عبادہ تھا۔ بات یہ تھی کہ سینکڑوں مسلمان آپ کے مقروض تھے اس لئے آپ کی عیادت کے لئے آتے ہوئے شرماتے تھے۔ جب آپ کو معلوم ہؤا کہ مسلمان میری وجہ سے ندامت محسوس کر رہے ہیں تو آپ نے اعلان کروا دیا کہ "آج سے مَیں اپنے ہر ایک مقروض کا قرض معاف کرتا ہوں"۔ اِس اعلان کے ساتھ ہی اِس کثرت سے لوگ آپ کی عیادت کو آئے کہ بالاخانے کا زینہ جس میں آپ صاحبِ فراش تھے ٹوٹ گیا۔ واقعہ چھوٹا سا ہے لیکن کسی کے دلی جذبات کی صحیح رنگ میں عکاسی کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔

● بے سرو سامان اور بے خانماں مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت مدینہ منورہ کا رُخ کر رہی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جنہیں محض لا الٰہ اِلّا اللہ محمّد رسول اللہ کہنے کی پاداش میں تیرہ سال تک صبر آزما مصائب برداشت کرنے کے بعد اپنے پیارے وطن کو چھوڑنا پڑا۔ اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑنا پڑا۔ اپنے بھرے گھروں کو خیرباد کہنا پڑا۔ سرتاجِ دو عالمؐ نے اس بستی کو چھوڑتے ہوئے فرمایا:-

"اے مکّہ مجھے تجھ سے دلی محبت ہے۔
میرا دل نہیں چاہتا کہ مَیں تجھے چھوڑ کے
ایک پل کے لئے بھی کہیں جاؤں۔ مگر
مَیں کیا کروں کہ تیرے باشندے مجھے
یہاں رہنے نہیں دیتے"۔

اہلِ مدینہ نے سرتاج دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اپنے مہاجر بھائیوں کے لئے آنکھیں بچھائیں اور "انصار" کا لقب پایا اور پھر اس لقب کی وہ لاج رکھی کہ ہمارے خدا نے بھی ان کی قربانیوں کو سراہا۔ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے چٹانوں سے بے دریغ ٹکرائے اور انہیں پاش پاش کر دیا۔ ان لوگوں نے اپنے خون سے اس گلستان کی آبیاری کی اور اسے پروان چڑھایا اور پھر ان کی قربانیوں کی بدولت صرف دس سال کے عرصہ میں ہی صلح و امن کا شہزادہؑ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ فاران چوٹیوں پر جلوہ گر ہوا اور ایک قدیمی پیشگوئی کا مصداق ٹھہرا۔ اہلِ مدینہ نے اپنے محبوب کی خاطر موت کو حیات پر ترجیح دی۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک اُن لوگوں کا نام ہر خاص و عام کی زبان پر جاری ہے۔ کیونکہ جو لوگ خدا اور اس کے رسولؐ کے لئے موت اختیار کرتے ہیں دائمی حیات کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں پہنچے تو آپؐ نے مہاجرین کی ضروریات کو محسوس کرتے ہوئے مؤاخات کرا دی تاکہ وہ بھی اپنے انصار بھائیوں کے ساتھ ایسے ہی حصہ دار ہوں جیسے حقیقی بھائی۔ انصار نے مہاجرین کے رہنے کے لئے مکانات پیش کئے۔ اپنے اموال پیش کئے اور اپنے باغات آپس میں تقسیم کر لئے۔ اور بھائیوں کا سا سلوک کیا۔ لیکن حضرت سعدؓ بن الربیع نے بھائیوں سے بڑھ کر سلوک کیا۔ آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے جن کے ساتھ آپ کی مؤاخات ہوئی تھی فرمایا "میرا تمام مال آج سے آدھا تمہارا ہے اور آدھا میرا۔ اور میری دو بیویاں ہیں ان میں سے ایک کو تم اپنے لئے پسند کر لو میں اُسے طلاق دیدوں گا۔" (اُس وقت تک پردہ کے احکامات نازل نہ ہوئے تھے) مگر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اس قسم کی تجویز ماننے سے انکار کیا۔ آپ نے اس کے لئے برکت کی دعا کی اور فرمایا کہ آپ مجھے صرف بازار کا راستہ دکھا دیں تا میں تجارت کے ذریعہ اپنی روزی خود کما سکوں۔

یہ مثال انصار کے ایثار کی ایک درخشاں مثال ہے جس کی نظیر نہ تو آج تک تاریخِ عالم پیش کر سکی ہے اور نہ آئندہ پیش کر سکے گی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ان واقعات کو پڑھ کر عقل کام نہیں کرتی کہ یہ کیسے لوگ تھے۔ کیا یہ انسان تھے یا فرشتے۔ ہاں یہ ہمارے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی گود کے پلے ہوئے انسان تھے! خدانما انسان!! فرشتوں سے بڑھ کر!!!۔ اور بے اختیار ہمارا دل اُس انسانِ کامل پر درُود بھیجتا ہے جس نے ان لوگوں میں زبردست انقلاب پیدا کیا۔ اے خدا! تو ہی ہمارے محبوبؐ کے مدارج بلند فرما۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ !!

ابو الظفر رائے شمشیر خاں جوئیہ ربوہ

صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام

(۲)

مکرم جوئیہ صاحب نے حال ہی میں احمدیت کے نور کو شناخت کیا ہے اور اب اس نور کو دوسروں میں پھیلانے کی تڑپ رکھتے ہیں۔ یہ مقالہ اسی تڑپ کا آئینہ دار ہے! (ادارہ)

۷۔ انبیاء کی جماعتوں کا غلبہ اور مخالفین کا تنزّل بتدریج ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ ؁ (مائدہ ع) یعنی یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کی جماعت ہی ہمیشہ غالب رہتی ہے۔ پھر اس کے بالمقابل مخالفین کی ناکامی کے متعلق فرمایا:۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ؁ (مجادلہ ع) یعنی یاد رکھو کہ شیطانی گروہ ہمیشہ ناکام و نامراد ہوتا ہے۔ اور خسارے میں رہتا ہے۔ اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس طرح معلوم ہو کہ غالب گروہ کونسا ہے۔ کیونکہ ہر ایک جماعت دعویٰ کرتی ہے کہ وہ غالب ہے۔ اس کا جواب خود خدا تعالیٰ نے دیا ہے۔ فرمایا: اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُھَا مِنْ اَطْرَافِھَا اَفَھُمُ الْغٰلِبُوْنَ ؁ (انبیاء ع) یعنی کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم اس زمین کو آہستہ آہستہ چاروں طرف سے کم کرتے چلے جا رہے ہیں۔ کیا اب بھی وہ خیال کرتے ہیں کہ وہی غالب آئیں گے۔ یعنی سچے مامور کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اس کی جماعت بتدریج بڑھتی ہے۔ اور اس کے بالمقابل اس کے مخالفین کا تنزّل بھی بتدریج ہوتا ہے۔ یہ امر مدّعی کے صادق اور منجانب اللہ ہونے پر قطعی اور یقینی دلیل ہے۔

اسی معیار کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ کے وقت اپنے مخالفین کو ترقی سلسلہ احمدیہ کے متعلق پیشگوئیاں کر کے پہلے ہی کہہ دیا تھا (جبکہ ابھی آپ کے متبعین کو انگلیوں پر گنا جا سکتا تھا) کہ میں کامیاب و کامران رہوں گا اور میرے مخالفین ناکام و نامراد رہیں گے۔

حضور علیہ السلام سلسلہ کی ترقی کے متعلق پیشگوئی فرماتے ہیں:۔

"خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دے گا اور میری محبت دلوں میں بٹھائے گا اور میرے سلسلہ

کو تمام زمین میں پھیلا دے گا۔
اور سب فرقوں پر میرے فرقہ
کو غالب کرے گا۔ اور میرے
فرقہ کے لوگ اس قدر علم و معرفت میں
کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے
نور اور اپنے دلائل اور نشانوں
کی رُو سے سب کا منہ بند کر دینگے۔
اور ہر ایک قوم اس چشمہ سے پانی
پئے گی۔ اور یہ سلسلہ زور سے
بڑھے گا اور پھولے گا یہاں تک
کہ زمین پر محیط ہو جائے گا۔
بہت سی روکیں پیدا ہوں گی اور
ابتلاء آئیں گے مگر خدا سب کو
درمیان سے اُٹھا دے گا اور اپنے
وعدہ کو پورا کرے گا۔ سو اے
سُننے والو! اِن باتوں کو یاد
رکھو اور اِن پیش خبریوں کو اپنے
صندوقوں میں محفوظ رکھ لو کہ یہ خدا کا
کلام ہے جو ایک دن پورا ہوگا۔"
(تذکرہ صہ ۵۹)

نیز اپنی کتاب لجۃ النور میں تحریر فرمایا کہ:۔

"میرے رب نے میری طرف
وحی کی اور مجھ سے وعدہ فرمایا کہ وہ
میری نصرت فرمائے گا۔ یہاں تک
کہ میری دعوت اور میرا سلسلہ زمین
کے مشارق و مغارب یعنی زمین کے
کناروں تک پہنچ جائے گا۔"

اور اسی طرح مخالفین کی ناکامی اور نامرادی کے
متعلق پیشگوئی فرمائی:۔

"خدا تیرے نام کو اس روز
تک جو دنیا منقطع ہو جائے
عزت کے ساتھ قائم رکھے گا۔
اور تیری دعوت کو دنیا کے
کناروں تک پہنچا دے گا۔
مَیں تجھے اُٹھاؤں گا اور اپنی
طرف بُلاؤں گا۔ پر تیرا نام
صفحۂ زمین سے کبھی نہیں اُٹھیگا
اور ایسا ہوگا کہ سب وہ لوگ
جو تیری ذلت کی فکر میں لگے
ہوئے ہیں اور تیرے ناکام
رہنے کے درپے ہیں اور تیرے
نابود کرنے کے خیال میں ہیں۔
وہ خود ناکام رہیں گے اور
ناکامی و نامرادی میں مرینگے۔
لیکن خدا تجھے بکلّی کامیاب
کریگا اور تیری ساری مُرادیں

تجھے دیگا۔ مَیں تیرے خالص
اور دلی محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤنگا
اور ان کے نفوس و اموال
میں برکت دوں گا۔"
(تذکرہ صـ ۱۴۵۔۱۴۶)

نیز فرمایا:۔
"اے لوگو! تم یقیناً سمجھ لو کہ
میرے ساتھ وہ ہاتھ ہے جو اخیر تک
مجھ سے وفا کرے گا۔ اگر تمہارے
مرد اور تمہاری عورتیں اور تمہارے
جوان اور تمہارے بوڑھے اور تمہارے
چھوٹے اور تمہارے بڑے سب مل کر
میرے ہلاک کرنے کے لئے دُعائیں
کریں۔ یہاں تک کہ سجدے کرتے
کرتے ناک گل جائیں اور ہاتھ شل
ہوجائیں تب بھی خدا ہرگز تمہاری دُعا
نہیں سُنے گا اور نہیں رُکے گا جب
وہ اپنے کام کو پُورا نہ کرے۔ اور
اگر انسانوں میں سے ایک بھی میرے
ساتھ نہ ہو تو خدا تعالیٰ کے فرشتے
میرے ساتھ ہوں گے اور اگر تم گواہی
کو چھپاؤ تو قریب ہے کہ پتھر میرے
لئے گواہی دیں۔ پس اپنی جانوں پر ظلم
مت کرو۔ کاذبوں کے مُنہ اَور ہوتے
ہیں اور صادقوں کے اَور۔
خدا کے ماموروں کے آنے کیلئے
بھی ایک موسم ہوتے ہیں اور پھر جانے
کے لئے بھی ایک موسم۔ پس یقیناً سمجھو
کہ مَیں نہ بے موسم آیا ہوں اور نہ بے موسم
جاؤں گا۔" (اربعین نمبر ۳ صـ ۱۶۔۱۷)

دنیا نے دیکھ لیا کہ آپؑ کے سب مخالفین
کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے مقابلہ میں ناکامی
و نامرادی کا مُنہ دکھایا۔ لیکن اُس کے مقابلہ میں
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو وہ تمام برکات
حاصل ہوئیں جو مذکورہ بالا الہامات میں اللہ تعالیٰ
نے آپؑ کو دینے کا وعدہ کیا تھا۔

۸۔ مامورین معجزانہ کلام پیش کرتے ہیں

قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کے سامنے
تاقیامت معجزانہ طور پر پیش کیا کہ اگر جن و انس اس جیسا
کلام لانے پر جمع ہو جائیں تو فرمایا لَا یَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ
وَلَوْ کَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا۔ ہرگز ہرگز
وہ اس کی مثل نہ لا سکیں گے۔ یہ چیلنج دنیا کے سامنے
آج تک قائم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات ہی
سے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو بھی ظلی طور پر حصہ ملا ہے۔
چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام نے اعجاز احمدی
اور اعجاز المسیح وغیرہ عربی میں کتابیں لکھیں اور کہا کہ اگر

اعجاز احمدی کے عربی قصیدہ کا جواب میعاد کے اندر لکھو تو دس ہزار روپیہ انعام لو۔ اور پیشگوئی فرمائی :۔

"خدا تعالیٰ ان کی قلموں کو توڑ دے گا اور ان کے دلوں کو غبی کر دیگا۔" (اعجاز احمدی ص۳۷)

چنانچہ جن علماء کو چیلنج دیا گیا تھا وہ ان کا جواب لانے سے عاجز رہے۔ پھر آپ نے لکھا :۔

"میں قرآن مجید کے معجزہ کے ظل کے طور پر فصاحت و بلاغت کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں جو میرا مقابلہ کر سکے۔"

(ضرورت الامام ص۲۱)

پس مخالفین کا ان چیلنجوں کے جواب میں ان کتب کی مثل کتابیں لکھنے سے عاجز رہنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی زبردست دلیل ہے کہ انہیں قرآن کے ظل کے طور پر یہ علوم و معارف علم الٰہی سے ملے تھے ورنہ وہ موجودہ مادی علوم کی انتہائی ترقی کے زمانہ میں ان کتابوں کی مثل کتابیں لانے سے عاجز نہ رہتے۔

۹۔ خدا کے مامورین پر کثرت سے علوم غیبیہ کھلتے ہیں

اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے :۔

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (جن ع۲)

ترجمہ۔ یعنی خدا تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر اپنے رسولوں کے سوا اور کسی کو کثرت سے اطلاع نہیں دیتا۔

اس معیار کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھو آپ نے بہت پیشگوئیاں کیں جو نہایت صفائی سے پوری ہو کر آپ کی صداقت پر گواہ بنیں۔ مخالف بھی اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ مثلاً :۔

۱۔ سعد اللہ لدھیانوی اور اس کے بیٹے کے ابتر ہونے ہونے کی پیشگوئی (دیکھو انوار الاسلام ص۲۲)

۲۔ لیکھرام کی موت کی پیشگوئی بہت واضح طور پر بیان فرمائی کہ چھ سال کے اندر اندر قتل کیا جائے گا (دیکھو کرامات الصادقین) چنانچہ پنڈت لیکھرام ۶ مارچ ۱۸۹۷ء کو قتل ہو گیا۔

۳۔ امریکہ کے جھوٹے مدعی ڈوئی کی موت کی پیشگوئی کی کہ اگر مباہلہ کرے یا نہ کرے ہلاک ہوگا۔ سو وہ ایک لاکھ کی جائداد ملکیتی سے بے دخل ہوا اور پھر اس کے بیوی بچے اس سے علیحدہ ہو گئے اور آخر فالج کے ذریعہ بہت خراب حالت میں مرا۔ (دیکھو تتمہ حقیقۃ الوحی ص۲۱۹)

۴۔ مباہلہ کے طور پر لعنۃ اللہ علی الکاذبین کہنے پر کئی منکرین مسیح موعود علیہ السلام ہلاک ہوئے۔

۵۔ پنجاب میں طاعون پھیلنے کی پیشگوئی کی اور پیشگوئی

کے مطابق پنجاب میں طاعون پھیل گئی اور آپ کا گھر طاعون سے پیشگوئی کے مطابق محفوظ رہا۔ (دیکھو کشتی نوح)

۶۔ آپ نے بڑی تحدی کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ میرے مقابلہ میں کسی کی دعا قبول نہ ہوگی۔ جو میری ذلت کا خواہاں ہو وہ خود ذلیل ہوگا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:۔

"میرا خدا جو آسمان اور زمین کا مالک ہے میں اُس کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ میں اس کی طرف سے ہوں اور وہ اپنے نشانوں سے میری گواہی دیتا ہے۔ اگر آسمانی نشانوں میں کوئی میرا مقابلہ کر سکے تو میں جھوٹا ہوں۔ اگر دعاؤں کے قبول ہونے میں کوئی میرے برابر اُتر سکے تو میں جھوٹا ہوں۔ اگر قرآن کے نکات اور معارف بیان کرنے میں میرا ہم پلہ ٹھہر سکے تو میں جھوٹا ہوں۔ اگر غیب کی پوشیدہ باتیں اور اسرار جو خدا کی اقتداری قوت کے ساتھ پیش از وقت مجھ سے ظاہر ہوتے ہیں ان میں کوئی میری برابری کر سکے تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوں۔" (اربعین)

۷۔ آپ نے ابتدائے عہد میں خدا سے خبر پاکر اطلاع دی کہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا یعنی میں اپنی طبعی موت سے مظفر و منصور اسی سال سے پانچ چھ برس کم عمر پاکر فوت ہوں گا (دیکھو نصرۃ الحق) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ پر نہ صرف کفر کے بلکہ خون مباح ہونے کے فتوے بھی دیئے گئے مگر کسی کا وار نہ چل سکا۔

۸۔ حضورؑ نے اپنے مخالفین سے کہا کہ سو دو سو بیمار بذریعہ قرعہ اندازی صوفیاء میں تقسیم ہوں اور وہ بذریعہ دعا خدا تعالیٰ سے ان کا علاج کرائیں۔ حصہ رسدی کچھ مریض مجھے دیئے جائیں تو دیکھو گے کہ صحت پانے میں میرے مریض سب سے بڑھ جائیں گے۔

۹۔ حضورؑ نے فرمایا کہ:۔

"میرے پر ایسی رات کوئی کم گزرتی ہے جس میں مجھے یہ تسلی نہیں دی جاتی کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور میری آسمانی فوجیں تیرے ساتھ ہیں۔ اگرچہ جو لوگ دل کے پاک ہیں مرنے کے بعد خدا کو دیکھیں گے لیکن مجھے اس کے منہ کی قسم ہے کہ میں اس کو دیکھ رہا ہوں دنیا مجھ کو نہیں پہچانتی لیکن وہ مجھے جانتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ یہ ان لوگوں کی غلطی ہے اور سراسر بدقسمتی ہے کہ میری تباہی چاہتے ہیں۔ میں وہ درخت ہوں جس کو مالک حقیقی نے اپنے

ہاتھ سے لگایا ہے۔ جو شخص مجھے کاٹنا
چاہتا ہے اس کا نتیجہ بجز اس کے
کچھ نہیں کہ وہ قارون اور یہودا اسکریوطی
اور ابوجہل سے کچھ حصہ لینا چاہتا
ہے۔" (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص۱۳)

نیز فرمایا :-
"میں صرف یہی دعویٰ نہیں کرتا کہ خدا تعالیٰ
کی پاک وحی سے غیب کی باتیں میرے
پر کھلتی ہیں اور خارق عادت امر ظاہر
ہوتے ہیں بلکہ یہ بھی کہتا ہوں کہ جو شخص
دل کو پاک کر کے اور خدا اور اس کے
رسول سے سچی محبت رکھ کر میری
پیروی کرے گا وہ بھی خدا تعالیٰ سے
یہ نعمت پائے گا مگر یاد رکھو کہ تمام
مخالفوں کے لئے یہ دروازہ بند ہے
اور اگر دروازہ بند نہیں ہے تو آسمانی
نشانوں میں مجھ سے مقابلہ کرے۔ اور
یاد رکھیں کہ ہرگز نہیں کر سکیں گے ۔
پس یہ اسلامی حقیقت اور حقانیت کی
ایک زندہ دلیل ہے۔"
(منقول از اربعین حصہ اول)

۱۰۔ "آہ نادر شاہ کہاں گیا" (الہام ۳ مئی ۱۹۰۵ء)
چنانچہ اس پیشگوئی کا پہلا حصہ اس وقت
پورا ہوا جبکہ افغانستان میں بچہ سقہ کے ہاتھ
سے امیر امان اللہ خان کی حکومت کا تختہ الٹایا
گیا تھا اور اس کے بعد نادر خان کو فرانس سے
بلایا گیا اور نادر خان کابل میں آکر نادر شاہ کے
لقب سے سریر آرائے سلطنت ہوا۔ پیشگوئی کا
دوسرا حصہ اس طرح پورا ہوا کہ ۸ نومبر ۱۹۳۳ء
عین دن کے وقت نادر شاہ افغانستان کے
ایک شخص عبدالخالق کے ہاتھ سے سینکڑوں آدمیوں
کی موجودگی میں قتل کیا گیا اور افغانستان نہیں بلکہ
تمام ممالک اسلامی کی زبان سے نکلا "آہ نادر شاہ
کہاں گیا"۔

ان پیشگوئیوں کے علاوہ بھی بہت سی پیشگوئیاں ہیں
جو ہو بہو پوری ہوگئیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ خدا تعالیٰ
کی طرف سے تھے ورنہ جو شخص جھوٹا ہو وہ اس قدر کثرت سے
پیشگوئیاں نہیں کر سکتا اور اگر کرے تو وہ پوری نہیں ہو سکتیں۔
جب یہ سب پیشگوئیاں پوری ہوگئیں تو معلوم ہو گیا کہ یہ علوم
غیبیہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کھولے تھے
اور وہ اپنے دعویٰ ماموریت میں سچے تھے۔

۱۰۔ اللہ سے جھوٹی محبت کے مدعی اپنی موت کی تمنا نہیں کرتے

خدا تعالیٰ یہود کو مخاطب کر کے فرماتا ہے :-
قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ
زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ
مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ
إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ وَلَا
يَتَمَنَّوْنَهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ
أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

بِالظّٰلِمِیْنَ ۝ (جمعہ ع ۱)

ترجمہ:۔ یعنی اے پیغمبر! ان سے کہہ دے
کہ اے یہودیو! اگر تم گمان کرتے ہو کہ
تم خدا کے دوست ہو اور دوسرے لوگ
ایسے نہیں۔ اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو
مگر یاد رکھو یہ لوگ کبھی بھی موت کی تمنا
نہیں کریں گے کیونکہ یہ اپنی بداعمالیوں
کو اچھی طرح جانتے ہیں اور خدا تعالےٰ
ظالموں سے اچھی طرح واقف ہے۔"

ان آیات سے معلوم ہوا کہ بُرے اعمال کرنے والے
ظالم لوگ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم خدا کے پیارے ہیں اور
خدا ہمارا ہی دوست ہے دوسروں کا نہیں تو وہ موت کی
تمنا نہیں کرتے اور اگر کر بیٹھیں تو ضرور ہلاک ہوتے ہیں۔
جیسا ابوجہل کا حال ہوا اور اس نے جنگِ بدر پر روانہ
ہونے سے قبل خانہ کعبہ میں دُعا کی تھی کہ اے خدا جو ہم
دونوں میں سے جھوٹا ہے اسے اس میدان (میدان بدر)
میں ہلاک کر دے۔ چنانچہ بدر کے میدان میں ہی وہ مارا
گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر مُہر کر گیا۔
اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے
مخالفین کو اپنے اُوپر بددُعا کرنے کی دعوت دی۔ جس کسی
نے ایسی بددعا کی وہ آپ ہلاک ہوا۔ حضرت مسیح موعود
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی خدا تعالیٰ سے اپنا تعلق ظاہر
کرنے کے لئے درج ذیل الفاظ میں دعا کی ؎

اے قدیر و خالقِ ارض و سماء
اے رحیم و مہربان و رہنما
اے کہ می داری تو بر دلہا نظر
اے کہ از تو نیست چیزے مستتر
گر تو مے بینی مرا پُر فسق و شر
گر تو دیدا ستی کہ ہستم بدگہر
پارہ پارہ کُن منِ بدکار را
شاد کُن ایں زمرۂ اغیار را
آتش افشاں بر در و دیوارِ من
دشمنم باش و تباہ کُن کارِ من
ور مرا از بندگانت یافتی
قبلۂ من آستانت یافتی
در دلِ من آں محبت دیدۂ
کز جہاں آں راز را پوشیدۂ
با من از روئے محبت کار کُن
اندکے افشاء آں اسرار کُن

(حقیقۃ المہدی)

ترجمہ:۔ یعنی اے قادر خدا! کہ جو زمین و آسمان
کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور اے رحیم و مہربان
اور رہنما خدا اور اے وہ خدا کہ جو دلوں پر
نظر رکھتا ہے اور جس سے کوئی چیز دنیا کی
پوشیدہ نہیں۔ اگر تُو مجھے بدکار اور شریر
سمجھتا ہے اور بدگہر پاتا ہے۔ تو مجھ بدکار
کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈال اور میرے دشمنوں کو
خوش کر دے۔ اور میرے در و دیوار پر آگ
برسا دے اور میرا دشمن ہو جا اور میرا تمام
کاروبار تباہ کر دے۔ اور اگر تُو مجھے اپنے

بندگانِ خاص میں سے پاتا ہے اور اپنے
آستانہ کو میرا قبلہ پاتا ہے اور میرے
دل میں اپنی وہ محبت دیکھتا ہے کہ جس کا
راز سارے جہان سے پوشیدہ ہے تو پھر
مجھ سے محبت والا معاملہ کر اور ان اسرار
کو تھوڑا سا ظاہر کر۔"

یہ دعا جس وقت کی گئی اہلِ دل کی نظر میں اس وقت
بھی یہ ایک ایسی دعا تھی جو جھوٹے کے مناسبِ حال
نہیں ہو سکتی اور اب تو یہ پوری بھی ہو چکی ہے۔ آیت لَوْ
تَقَوَّلَ الخ کے مطابق اللہ تعالیٰ خود ہی آپ کو تباہ اور
آپ کے سلسلہ کو منقطع کر دیتا۔ لیکن اگر اس نے ایسا نہیں
کیا تھا تو پھر آپ نے جب اپنے مخالفوں سے کہا تھا کہ
وہ آپ کی ہلاکت کے واسطے بددعا کر کے دیکھ لیں تو ان
کی بددعائیں ہی قبول کر کے آپ کو ہلاک کر دیتا۔ اگر یہ بھی
نہیں کیا تھا تو آپ نے جب خود اپنی ہلاکت کے لئے بددعا
کی تھی تو اس کے مطابق آپ کو ہلاک کر دیتا لیکن اللہ تعالےٰ
نے آپ کو ہلاک کرنے کی بجائے آپ کے دشمنوں کو ان
کے تمام منصوبوں میں ناکام کیا جو انہوں نے آپ کی
تباہی کے لئے سوچے تھے اور آپ کو ترقی دی اور
مخلص جماعت عطا کی اور آپ کے سلسلہ کو دنیا کے
کونوں تک پھیلا دیا اور جیسا کہ آپ سے وعدہ فرمایا تھا
کہ میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔
اس نے ایسا ہی کر دیا۔

۱۱۔ آسمانی آواز

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا
کہ جب حضرت امام مہدی علیہ السلام کا دنیا میں ظہور ہو گا
تو اس وقت آسمان سے ندا آئے گی کہ سنو یہی مہدی ہے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق حضرت
مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب نشانِ آسمانی
میں اس آسمانی آواز کے سننے کا طریق استخارہ بتایا
چنانچہ فرماتے ہیں:-

"اس جگہ یہ بھی بطور تبلیغ کے لکھتا ہوں
کہ حق کے طالب جو مواخذۂ الٰہی سے
ڈرتے ہیں وہ بلا تحقیق اس زمانہ کے مولویوں
کے پیچھے نہ چلیں اور آخری زمانہ کے
مولویوں سے جیسا کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ
علیہ وسلم نے ڈرایا ہے ویسا ہی ڈرتے
رہیں اور ان کے فتووں کو دیکھ کر حیران
نہ ہو جائیں کیونکہ یہ فتوے کوئی نئی بات
نہیں اور اگر اس عاجز پر شک ہو اور وہ
دعویٰ جو اس عاجز نے کیا ہے اس کی
صحت کی نسبت دل میں شبہ ہو تو میں
ایک آسان صورت رفعِ شک کی بتلاتا
ہوں جس سے ایک طالبِ حق انشاء اللہ
مطمئن ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اوّل
توبہ نصوح کر کے رات کے وقت دو رکعت
نماز پڑھیں جس کی پہلی رکعت میں سورۃ یٰسین
اور دوسری رکعت میں اکیس ۲۱ مرتبہ سورۃ
اخلاص ہو اور پھر بعد اس کے تین سو مرتبہ
درود شریف اور تین سو مرتبہ استغفار پڑھ کر

خدا تعالیٰ سے دعا کریں کہ اے قادر کریم!! تو پوشیدہ حالات کو جانتا ہے اور ہم نہیں جانتے۔ اور مقبول اور مردود اور مفتری اور صادق تیری نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا پس ہم عاجزی سے تیری جناب میں التجاء کرتے ہیں کہ اس شخص کا تیرے نزدیک کہ جو مسیح موعود اور مہدی اور مجدد الوقت ہونے کا دعویٰ کرتا ہے کیا حال ہے؟ کیا صادق ہے یا کاذب اور مقبول ہے یا مردود۔ اپنے فضل سے یہ حال رؤیا یا کشف یا الہام سے ہم پر ظاہر فرما تا اگر مردود ہے تو اسکے قبول کرنے سے ہم گمراہ نہ ہوں اور اگر مقبول ہے اور تیری طرف سے ہے تو اسکے انکار اسکی اہانت سے ہم ہلاک نہ ہو جائیں۔ ہمیں ہر ایک قسم کے فتنہ سے بچا اور یہ ایک قوت تجھ کو ہی ہے آمین یہ استخارہ کم از کم دو ہفتے کریں لیکن اپنے نفس سے خالی ہو کر کیونکہ جو شخص پہلے ہی بغض سے بھرا ہوا ہے اور بدظنی اس پر غالب آگئی ہے اگر وہ خواب میں اس شخص کا حال دریافت کرنا چاہے جس کو وہ بہت ہی بُرا جانتا ہے تو شیطان آتا ہے اور موافق اس ظلمت کے جو اسکے دل میں ہے اور پُر ظلمت خیالات اپنی طرف سے اُسکے دل میں ڈال دیتا ہے۔ پس اس کا پچھلا حال پہلے سے بدتر ہوتا ہے۔ سو اگر تو خدا تعالیٰ سے کوئی جزء دریافت کرنا چاہے تو اپنے سینہ کو بکلی بغض اور عناد سے دھو ڈال اور اپنے تئیں بکلی خالی النفس کر کے اور دونوں پہلوؤں بغض اور محبت سے الگ ہو کر اُس سے ہدایت کی روشنی مانگ کہ وہ ضرور اپنے وعدہ کے موافق اپنی طرف سے روشنی نازل کرے گا جس پر نفسانی اوہام کا کوئی دُخان نہیں ہوگا۔ سو اے حق کے طالبو! ان مولویوں کی باتوں سے فتنہ میں مت پڑو اُٹھو اور کچھ مجاہدہ کر کے اس قوی اور قدیر اور علیم اور ہادی مطلق سے مدد چاہو۔ اور دیکھو کہ اب میں نے یہ روحانی تبلیغ بھی کر دی ہے آئندہ تمہیں اختیار ہے۔"

(نشانِ آسمانی سنہ ۱۸۹۲ء)

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ فرماتے ہیں ؎

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

جانم فدا شود برہِ دینِ مصطفٰے
این است کامِ دل اگر آید میسرم

(ازالہ اوہام)

مکرم مولوی مصلح الدین احمد صاحب اکمل مرحوم

کیفِ ماضی

محفلِ ہستی میں پھر جوشِ لقا پیدا ہوا
پھر دلِ مضطر میں کیفِ ماضی پیدا ہوا

پھر الستِ ناز کے نغموں سے جاگی کائنات
پھر حریمِ شوق میں شورِ بلیٰ پیدا ہوا

پھر کوئی منزلگہِ مقصود سے آئی صدا
پھر کسی بھٹکے ہوئے کا آسرا پیدا ہوا

پھر سرشکِ لالہ گوں سے معذرت کی حسن نے!!
پھر نگاہِ بے رُخی میں اعتنا پیدا ہوا

پھر محبت کے جنوں خانے سے اُٹھے ولولے
پھر دلِ وحشی میں جوشِ التجا پیدا ہوا

پھر کسی کے حُسنِ محشر خیز سے اُٹھی نقاب
پھر حریمِ جاں میں شورِ مرحبا پیدا ہوا

مکرم ناصر احمد صاحب
بی اے۔ بی۔ ایڈ

حقوقِ والدین

اس مضمون کی اہمیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ہم ایک روایت پیش کرنی ضروری سمجھتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک نومسلم نوجوان کو جو اپنی والدہ کے مقام کا خیال نہیں کرتا تھا ــــ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے دستِ مبارک سے خط تحریر فرمایا اور آخر میں اپنا نشان انگوٹھا بھی لگایا اور وعید کے رنگ میں یہ بھی لکھا کہ

"اگر تم میری ان نصیحتوں پر عمل نہ کرو تو میں خوف کرتا ہوں کہ عنقریب تمہاری موت کی خبر نہ سنوں۔"

(الفضل ۹/۴۲ ۲۹)

(ادارہ)

ہر انسان پر دو قسم کے حقوق کی ادائیگی فرض کی گئی ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ حقوق العباد میں کئی قسم کے حقوق شامل ہیں مثلاً والدین کے حقوق۔ بھائی بہنوں کے حقوق۔ بیوی کے حقوق۔ اولاد کے حقوق ہمسایوں اور دیگر رشتہ داروں کے حقوق وغیرہ۔

حقوق العباد میں سے سب سے زیادہ اہم والدین کے حقوق ہیں اور انہی پر اسلام نے بہت زیادہ زور دیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ خالق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن انسان کو نیست سے ہست میں لانے کا سبب اسکے ماں باپ ہی بنتے ہیں۔ پھر بچہ کی پرورش میں جو تکالیف ماں باپ کو برداشت کرنا پڑتی ہیں وہ انہی کا حوصلہ ہے! بچہ رونے لگتا ہے تو ماں اُسے دودھ پلانے کے لئے یا بہلانے کے لئے تمام کام کاج چھوڑ کر اُسے اٹھا لیتی ہے۔ رات کو اگر بچہ رو پڑے تو ماں اپنی نیند اپنے لئے حرام کر لیتی ہے۔ بچہ چارپائی پر لیٹا ہوا پیشاب یا پاخانہ کر دیتا ہے تو ماں گیلی جگہ خود لے لیتی ہے لیکن بچہ کو خشک جگہ پر ہی سلاتی ہے۔ باپ خون پسینہ ایک کر کے کمائی کرتا ہے اور اپنے بچوں کی ضروریات کا کفیل بنتا ہے۔ وہ خود بھوکا رہ لیتا ہے لیکن اپنے بچوں کو بھوکا رہنے نہیں دیتا۔ وہ خود پیاسا رہنا پسند کر لیتا ہے لیکن اپنی اولاد کی پیاس برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ خود ننگا رہ لیتا ہے لیکن جہاں تک اسکے اختیار میں ہو اپنی اولاد کو اچھی سے اچھی پوشاک مہیا کر دیتا ہے۔

جب اولاد ذرا بڑی ہو جاتی ہے تو والدین انہیں تعلیم دلواتے ہیں یا کوئی ہنر سکھاتے ہیں تاکہ وہ اپنی زندگی میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل بن سکیں۔ مختصر یہ کہ اولاد کے لئے والدین ایک بہت بڑی نعمت ہیں۔

والدین کا وجود سراپا رحمت ہوتا ہے۔ وہی ہیں جو اولاد کے ہر دکھ اور تکلیف میں اس کے صحیح مونس اور غم خوار ہوتے ہیں۔

قرآن مجید میں ایک دفعہ نہیں، کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا۔ اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ والدین کے احسانات اولاد پر اتنے ہوتے ہیں کہ ان کو ادا کرنا ناممکن ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیٹا اپنے والد کے احسانات کا بدلہ نہیں اتار سکتا۔ ہاں ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ باپ غلام ہو کر بکتا ہوا آوے اور بیٹا اس کو خرید کر آزاد کر دے[1]

ظاہر ہے کہ ایسی صورت بہت ہی شاذ و نادر ہی ہو سکتی ہے۔

جب والدین بڑھاپے میں ہوں تو اولاد ان کیلئے ایک سہارا ہوتی ہے۔ اور یہی وقت ہوتا ہے جب اولاد کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ ماں باپ کی کتنی فرمانبردار اور انکے حقوق کی نگہداشت کرنے والی ہے۔ جب اولاد بچپن میں ہوتی ہے یا اس کی ضروریات کے کفیل ماں باپ ہوتے ہیں اس وقت فرمانبردار ہونا کوئی بڑا کام نہیں۔ کیونکہ اس وقت تو اولاد ماں باپ کی محتاج ہوتی ہے۔

آجکل ایک رَو ایسی چل پڑی ہے کہ جب بچے بالغ ہو جاتے ہیں، فارغ التحصیل ہو کر اپنے کاروبار پر لگ جاتے ہیں تو ماں باپ کے متعلق مندرجہ ذیل قسم کے فقرات کسے جاتے ہیں۔

"وہ اب بوڑھے ہو چکے ہیں، اُن کی عقل ٹھکانے نہیں، وہ حواس باختہ ہو چکے ہیں، وہ اب چڑچڑا مزاج ہو گئے ہیں، وغیرہ وغیرہ"

اگر غور سے دیکھا جائے تو یہی والدین اُس وقت عقلمند نہ تھے جب وہ اپنی اولاد کی کفالت کے لئے تن من دھن قربان کر رہے تھے۔ ہاں اس وقت جب والدین کے علاوہ اولاد کا کوئی پرسان حال اور سہارا نہ تھا صورت حال یہ ہے کہ اولاد ہی اوّل درجے کی نالائق اور احسان فراموش ثابت ہوتی ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل)

ترجمہ:۔ تیرے رب نے (اس بات کا) تاکیدی حکم دیا ہے کہ کسی کی عبادت نہ کرو اور (نیز یہ کہ) اپنے ماں باپ سے اچھا سلوک کرو۔ اگر ان میں سے کسی ایک پر یا ان دونوں پر تیری زندگی میں بڑھاپا آجائے تو انہیں (اُن کی کسی بات پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے) اُف

---

[1] مسلم

تک نہ کہہ اور انہیں جھڑک اور اُن سے ہمیشہ نرمی سے بات کر۔ اور رحم کے جذبہ کے ماتحت ان کے سامنے عاجزانہ رویہ اختیار کر اور (ان کے لئے دعا کرتے وقت) کہہ کہ اے میرے رب ان پر مہربانی فرما کیونکہ انہوں نے بچپن کی حالت میں میری پرورش کی تھی۔

مندرجہ بالا قرآنی آیت والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک پر کتنا زور دیتی ہے۔ والدین کو سخت سُست کہنا تو درکنار اُن کے ساتھ کبھی بھی سختی سے کلام نہیں کرنا چاہیئے۔ بعض دفعہ اگر وہ کوئی سختی بھی کریں تو اُف تک نہیں کہنا چاہیئے۔ مَیں نے خود اپنی آنکھوں سے یہ قابلِ افسوس نظارے دیکھے ہیں کہ والدین جب بوڑھے ہو جاتے ہیں تو بعض ناہنجار اُن کو گالیاں دیتے ہیں اور بعض بدقسمت تو ان پر ہاتھ بھی اٹھا لیتے ہیں! لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے خدا تعالیٰ نے یہ بھی دیکھنے کا موقع دیا ہے کہ وہی اولاد جو جوانی کے وقت اپنے والدین کو مارا کرتی تھی انکی اولاد نے بھی اُن کے ساتھ اُسی قسم کا رویہ اختیار کیا ع

"اِس ہاتھ دے اِس ہاتھ لے"!!

میرا تو یہ ایمان ہے کہ والدین کے ساتھ جس قسم کا سلوک اس دنیا میں کیا جائے اس کا بدلہ مرنے سے پہلے پہلے ضرور مل جاتا ہے!!

لہٰذا نوجوانوں کو چاہیئے کہ وہ خدا تعالیٰ کے اس حکم کی پابندی کرتے ہوئے حتی المقدور اپنے والدین کی خدمت بجا لائیں تا وہ دین و دنیا میں اعلیٰ ترین نعمتوں کے وارث بن سکیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جنّت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ وہ انسان جو اپنی ماں کی خدمت کماحقہٗ بجا لائے گا۔ اسے جنّت نصیب ہوگی جو ایک دائمی اور نہ ختم ہونے والا انعام ہے اس سے بڑھ کر اور کیا صلہ ہو سکتا ہے؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر دریافت کیا:۔

"اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے اچھے سلوک کا سب سے زیادہ کون حق دار ہے؟"

آنحضرتؐ نے فرمایا "تمہاری ماں" اسی شخص نے دوسری مرتبہ دریافت کیا "پھر کون؟ حضور نے پھر ارشاد فرمایا "تمہاری ماں" اس نے تیسری دفعہ پھر یہی سوال دہرایا حضور نے جواب میں پھر وہی فرمایا "تمہاری ماں"۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اولاد کی پرورش میں ماں کا بہت بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ اور اس کی قربانیاں باپ سے زیادہ ہوتی ہیں۔ ماں خدا تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اور وہ اولاد کے لئے اپنی جان قربان کرنے سے بھی کبھی گریز نہیں کرتی۔ اولاد حسنِ سلوک سے پیش آئے یا نہ آئے ماں کا دل خدا نے ایسا بنایا ہے کہ اس میں کبھی سختی پیدا نہیں ہوتی! ایک فرانسیسی کہانی ہے کہ کسی آدمی کو اس کی محبوبہ نے آزمانے کے لئے کہا کہ مَیں تمہاری محبت کا یقین اس وقت کروں گی جب تم اپنی ماں کا دل نکال کر لے آؤ چنانچہ وہ انسان اپنی محبت کو ثابت کرنے کے لئے اپنی ماں کا دل نکال کر لئے جا رہا تھا کہ راستے میں ٹھوکر کھا کر گر پڑا تو اُس دل سے یہ آواز پیدا ہوئی کہ

"بیٹا کہیں چوٹ تو نہیں لگی!"

یہ ہے تو کہانی مگر ماں کی ممتا کی ماہیت پر اس سے صحیح روشنی پڑتی ہے۔ خدا کی قدرت پر حیرانی ہوتی ہے کہ ماں کا وجود اس نے کتنا ہمدرد اور مونس بنایا ہے جو اپنی اولاد کے لئے اپنی جان پر کھیلنا ایک ادنیٰ سی قربانی تصور کرتی ہے!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوع انسان کیلئے کامل نمونہ تھے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں آپکی حیاتِ طیبہ ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔ آپکے والدین اگرچہ بچپن میں فوت ہو گئے تھے۔ چونکہ آپنے رہتی دنیا تک کے لئے ایک شمعِ ہدایت بننا تھا اسلئے آپکی زندگی پر غور کیا جائے تو والدین کی خدمت کے اعلیٰ ترین نمونے ملتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سے وہ حُسنِ سلوک کیا جو بنی نوع انسان کے لئے ایک مکمل نمونہ ہے۔ اس حُسنِ سلوک کے مندرجہ ذیل تین واقعات بہت اہم ہیں۔

۱۔ ایک دفعہ ملک میں قحط پڑا اور حلیمہ مکہ میں آئیں تو آپنے انہیں چالیس بکریاں اور ایک اُونٹ عطا فرمایا۔

۲۔ زمانہ نبوت میں وہ ایک دفعہ آئیں تو آپ انہیں دیکھتے ہی میری ماں میری ماں کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے اوپر کی چادر اُتار کر اُن کے نیچے بچھائی۔

۳۔ حضرت حلیمہ کی قوم کے بہت سے افراد غزوہ حنین میں قید ہوئے اور ان کے بہت سے جانور پکڑے گئے۔ حلیمہ کی قوم کے مالدار لوگ حلیمہ کے غریب بچوں سے سفارش کی خواہش کرنے سے گھبراتے تھے لیکن آخر مجبور ہو کر اُن کے پاس گئے اور رجا کر کہا کہ قوم کی نظر تو تمہیں پر ہے جاؤ اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی قوم کی سفارش کرو۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک اُن کا انتظار کرتے رہے تھے۔ آخر مجبور ہو کر آپنے حضرت حلیمہ کی قوم کے مالِ غنیمت کو فوجیوں میں تقسیم کر دیا۔ صرف غلام رہنے دئے تھے جب حضرت حلیمہؓ کی ایک بچی آپ کے پاس سفارش کے لئے آئی تو تو آپ نے فرمایا میں نے تمہارا بہت انتظار کیا آخر تنگ آکر مال تقسیم کر دیا اب تم خود ہی پسند کر لو۔ آیا میں مال واپس لے کر تم کو دیدوں یا قیدی تم کو دیدوں۔ اس نے قوم سے مشورہ کیا اور کہا ہمیں قیدی چاہئیں۔ مال نہیں چاہئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے لشکرِ اسلام کے سامنے یہ معاملہ رکھا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہم خوشی سے اپنے اپنے قیدی آزاد کرنے کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ اسی وقت بنو ہوازن کا چھ ہزار قیدی رہا کر دیا گیا۔[1]

کیا اس سے بڑھ کر بھی ماں باپ کی خدمت کی مثال دنیا کی تاریخ میں مل سکتی ہے۔ ایک رضاعی والدہ

---

[1] سیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۱۴۰ و صفحہ ۱۴۱

جس نے صرف پانچ چھ سال خدمت کی اور اس کا اتنا بڑا ادب کرنا اور اسکے لئے اتنے ہزار قیدیوں کو رہا کر دینا۔ یہ واقعات واقعی وبالوالدین احساناً کی بے مثال تفسیر ہیں!

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اس بابرکت فریضہ پر بہت زور دیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"جو شخص اپنے ماں باپ کی عزت نہیں کرتا اور امورِ معروفہ میں جو خلافِ قرآن نہیں ہیں اُن کی بات کو نہیں مانتا اور اُنکی تعہد خدمت سے لاپرواہ ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔"[۱]

میں سمجھتا ہوں کہ حضور کے اس ارشاد کے سب سے زیادہ مخاطب خدام ہی ہیں کیونکہ جوانی کا زمانہ ہی دراصل فعال زمانہ ہوتا ہے۔ ذہنی اور جسمانی قویٰ انتہائی عروج پر ہوتے ہیں۔ ایک نابالغ بچہ والدین کی کیا خدمت بجالا سکتا ہے۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا ارشاد ہے:۔

"دنیاداروں میں سے بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو والدین کی پورے طور پر عزت کرتے ہیں اور زمینداروں اور تعلیمیافتہ طبقہ دونوں میں یہی حالات نظر آتے ہیں۔ اسی طرح بعض نوجوان اپنی ماؤں کی خبرگیری ترک دیتے ہیں اور جب پوچھا جاتا ہے تو انکا جواب یہ ہوتا ہے کہ اماں جی کی طبیعت تیز ہے اور میری بیوی کی ان سے بنتی نہیں۔ حالانکہ بیوی کو ماں سے کیا نسبت۔ بیوی نے اسکے فائدے کیلئے کیا کیا ہوتا ہے وہ نوجوانی کی حالت میں اسکی خدمت کرتی ہے لیکن ماں جس نے اپنی چھاتیوں سے دودھ پلایا ہوتا ہے اور جس نے اپنا خون دودھ کی شکل میں تبدیل کر کے اسکی پرورش کی ہوتی ہے اور محنت و شفقت سے پڑھایا ہوتا ہے اس سے اسلئے اعراض کر لیا جاتا ہے کہ بیوی سے اسکی بنتی نہیں پس اس خطرناک نقص کو دور کرو اور اپنے والدین کی خدمت بجالاؤ۔ ورنہ تم اس جنت سے محروم ہو جاؤ گے جو تمہارے ماں باپ کے قدموں کے نیچے رکھی گئی ہے۔"[۲]

میں سمجھتا ہوں کہ حضور کے مندرجہ بالا ارشاد کے بعد حقوقِ والدین پر مزید کچھ کہنے کی گنجائش نہیں۔ احمدی نوجوانوں کو ہاں ان احمدی نوجوانوں کو جو اس بات کے مدعی ہیں کہ ہم لوگ ہی اسلام کے سچے علمبردار ہیں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیئے اور حضرت رحمۃ للعلمین کے اسوۂ حسنہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنا چاہیئے اور خدا کے سینکڑوں صالح بندوں کے اس آزمائے ہوئے نسخہ کو حرزِ جان بنانا چاہیئے کہ والدین کی صحیح خدمت کے بغیر دین و دنیا میں حقیقی کامیابی اور فلاح کا ملنا ناممکن ہے۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اپنے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بننے کی توفیق دے اور ہمیں زندگی بھر انکی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق دے اور جب وہ ہماری زندگی میں ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوں تو وہ ہم سے خوش ہوں اور انکی زندگی کے بعد ہم انکی بخشش کیلئے دعا کرتے رہیں۔ ربنا اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب +

---

[۱] کشتی نوح +

[۲] تفسیر کبیر جلد ۵ حصہ سوم ص ۲۸۳ +

لطف الرحمن محمود

جسمِ انسانی کی اکائیاں

اپنی ہستی کا اگر حُسن نمایاں ہو جائے
آدمی کثرتِ انوار سے حیراں ہو جائے

ماہرین حیاتیات کی تحقیق کے مطابق ہر جاندار چیز چھوٹے چھوٹے جاندار ذرات کا مجموعہ ہے۔ اِن جاندار ذرات کو خُلیے (CELLS) کہتے ہیں۔ مختلف جاندار اجسام میں خلیوں کی شکل و صورت اور نوعیت بھی مختلف ہوتی ہے۔ درخت پودے، انسان، حیوان، چرند، پرند، بنیادی طور پر جاندار خلیوں کے بنے ہوئے ہیں۔

اگر خوردبین کے ذریعے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مثالی خلیہ ایک لیس دار مادے کا بنا ہوا ہوتا ہے جسے PROTOPLASM کہتے ہیں۔ چونکہ خلیے کا اہم ترین مادہ یہی پروٹوپلازم ہے اس لئے اسے "مادۂ حیات" بھی کہتے ہیں اس لیس دار مادے میں ایک گاڑھا مرکزی نقطہ ہوتا ہے جسے "مرکزہ" یا "مغزِ خلیہ" (NUCLEUS) کہتے ہیں۔ یہ لیس دار مادہ ایک جھلی میں لپٹا ہوتا ہے جو اسکی حفاظت کرتی ہے، اس جھلی کو "دیوارِ خلیہ" (CELL WALL) کا نام دیا گیا ہے ہر جاندار بڑھتا ہے، سانس لیتا ہے۔ غذا کو جزوِ بدن بناتا ہے، حرکت کرتا ہے، فاسد مادے خارج کرتا ہے۔ بقائے نسل کے لئے اپنے جیسے جاندار پیدا کرتا ہے ــــ چونکہ خلیہ بھی ایک جاندار چیز ہے اس لئے اس میں بھی یہ تمام صفات موجود ہیں۔ خلیے کے خوردبینی مشاہدے میں ایک خلا نظر آتا ہے جس سے وہ اپنے فاسد مادے خارج کرتا ہے، اسی سوراخ کو "خلائے خلیہ" (VACUOLE) کہتے ہیں۔ یہ خلیے غذا جذب کرتے ہیں۔ سانس لیتے ہیں۔ آکسیجن ان تک پہنچتی ہے۔ یہ بڑھتے بھی ہیں۔ حرکت بھی کرتے ہیں۔ سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان میں "بقائے نسل" کی طاقت بھی موجود ہے۔ اور یہ ایک سے دو، دو سے چار اور چار سے آٹھ ہوتے رہتے ہیں!

خلائے خلیہ
پروٹوپلازم
مرکزہ
دیوارِ خلیہ

(ایک مثالی خلیہ)
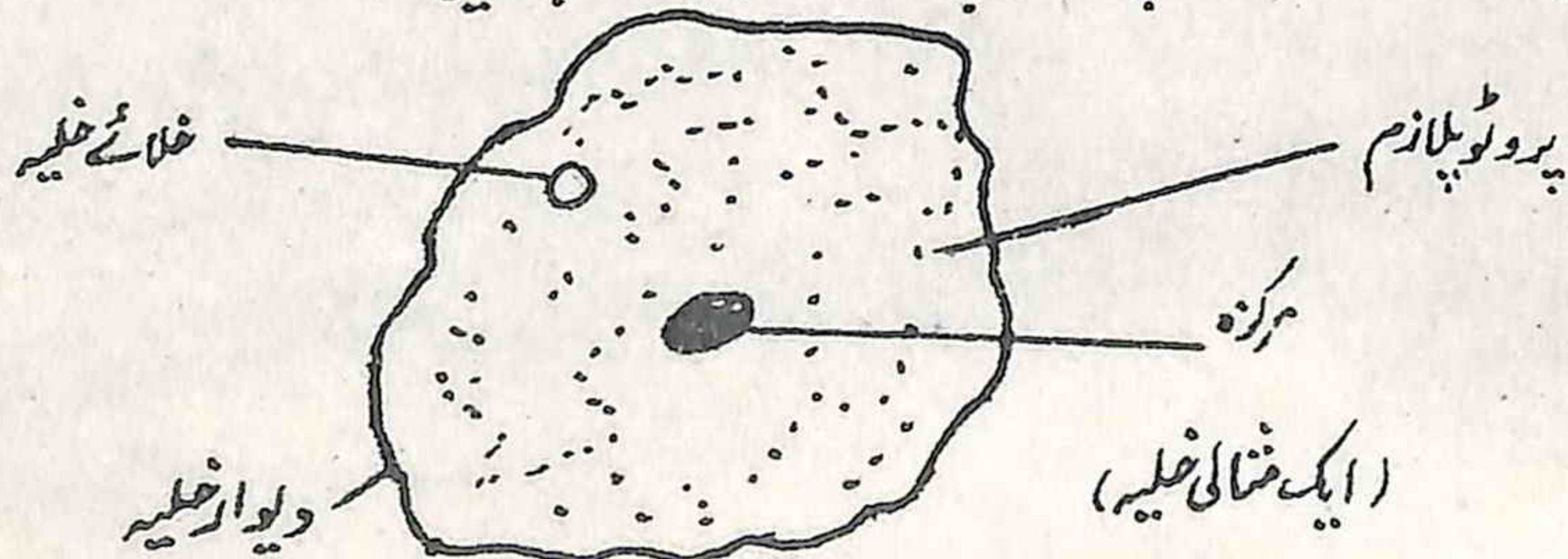
خلیہ بڑھتا رہتا ہے۔ جب اس کی نشو ونما مکمل ہو جاتی ہے تو پھر اس کا مرکزہ بیچ میں سے سکڑنا شروع ہو جاتا ہے اور پھر دو حصوں میں منقسم ہو جاتا ہے۔ مرکزہ کے دونوں حصے اپنے گرد لیس دار مادہ جمع کر لیتے ہیں اور علیحدہ خلیوں کی شکل میں بڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر یہ "توام خلیے" بڑھنا شروع کر دیتے ہیں اور نشو ونما کی تکمیل کے بعد ان کے مرکزے بھی سکڑ کر پھٹ جاتے ہیں اور یہ دو سے چار ہو جاتے ہیں اس طرح ان کی تعداد بڑھتی رہتی ہے!

(ا)　　　(ب)　　　(ج)
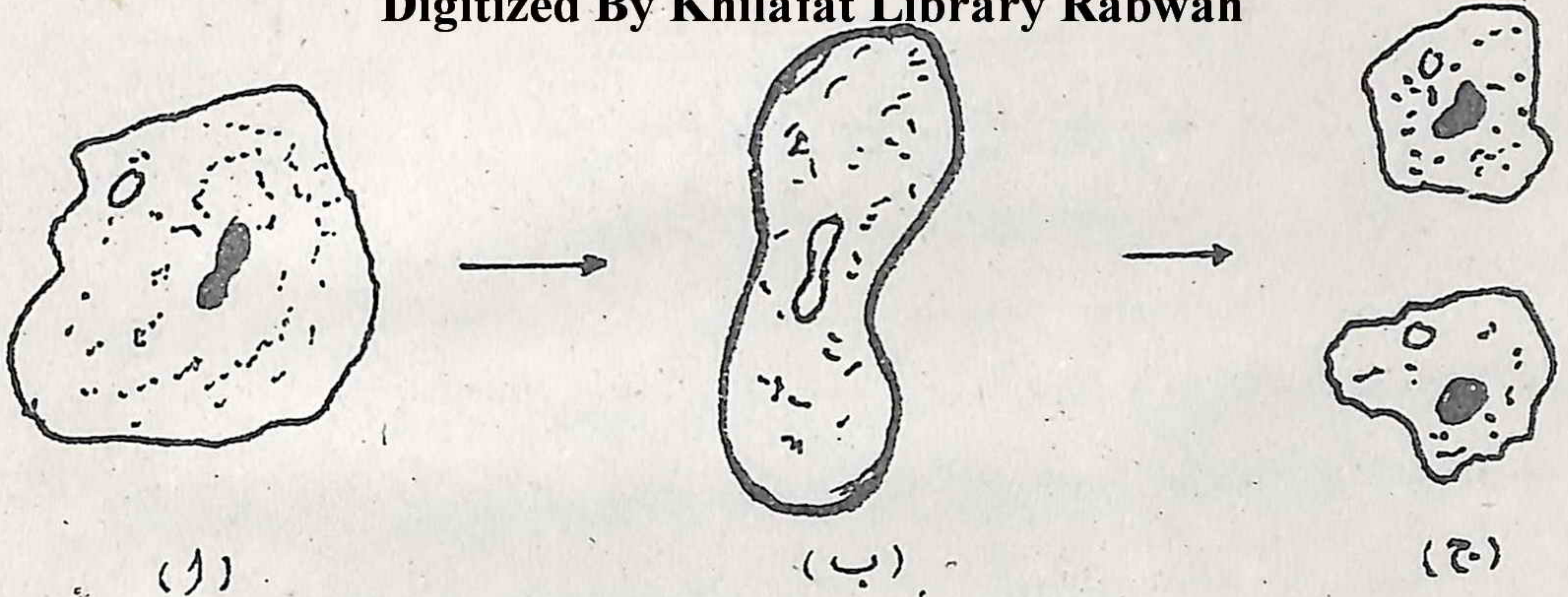
(خلیوں میں افزائشِ نسل کا دلچسپ عمل)

خلیے کے متعلق چند ابتدائی امور بیان کرنے کے بعد جسمِ انسانی کے خلیوں کے متعلق کچھ بیان کرنا آسان ہو گیا ہے تمام اعلیٰ جانداروں کی طرح انسانی جسم کی ابتدا بھی ایک "باردار خلیے" (FERTILIZED CELL) سے ہوتی ہے جو خود دو خلیوں نر خلیے (SPERM) اور مادہ خلیے (OVUM) کے ملنے سے معرضِ وجود میں آتا ہے۔ جیسے کہ خالقِ ارض وسما قرآن مجید میں فرماتا ہے ــــ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ۝ (نجم: ۴۶، ۴۷)
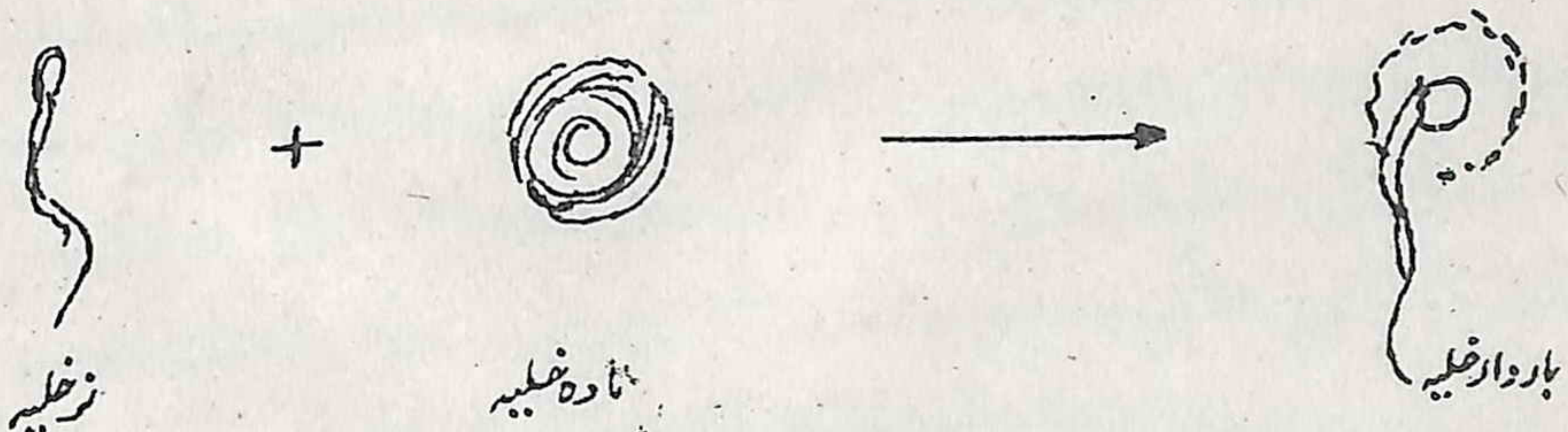
یہ باردار خلیہ رحمِ مادر میں تیزی سے ارتقائی منازل طے کرتا ہے اور اپنی افزائشِ نسل کرتا رہتا ہے اور ایک سے دو اور دو سے چار اور چار سے آٹھ ہوتا رہتا ہے۔ ابتدا میں ان خلیے کو ایک جیسا کام کرنا پڑتا ہے اس لئے انکی ماہیت ایک جیسی ہوتی ہے۔ لیکن جوں جوں بچے کے جسم کی کوئی زیادہ معین شکل واضح ہونا شروع ہو جاتی ہے ان خلیوں کے افعال کی کیفیت بھی بدل جاتی ہے قرآن کریم میں خدائے علیم وخبیر فرماتا ہے:۔ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً

فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۚ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝ (سورۃ مومنون ۱۵-۱۶)

"پھر نطفہ کو ترقی دیکر ایسی شکل دی کہ وہ چمٹنے والا وجود بن گیا۔ پھر اس چمٹنے والے وجود کو ایک بوٹی بنا دیا۔ پھر اس بوٹی کو ہم نے ہڈیوں کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ پھر ان ہڈیوں پر ہم نے گوشت چڑھایا۔ پھر اس کو ایک اور شکل (یعنی انسانی وجود) میں تبدیل کر دیا۔ پس بہت ہی برکت والا ہے وہ خدا جو سب سے اچھا پیدا کرنے والا ہے۔" (تفسیر صغیر ص۴۶۵)

چنانچہ یہ حساس خلیے ضروریات کے مطابق اپنے گروپ بنا لیتے ہیں۔ اور پھر اجتماعی طور پر مفوضہ فرائض سرانجام دیتے ہیں خلیوں کے اس قسم کے گروپ کو "بافت" (TISSUE) کہا جاتا ہے۔ ہمارے جسم کو یہ بافتیں تعمیر کرتی ہیں۔ بافتوں کی تشکیل کے وقت ان خلیوں کی شکل وصورت بھی بدل جاتی ہے۔ کیونکہ ان بافتوں کو اپنے اپنے فرائض نہایت سختی سے ادا کرنے پڑتے ہیں۔ ان فرائض کی نوعیت میں بھی کافی اختلاف ہوتا ہے!!

ان تمام تغیرات کی ساری صلاحیتیں باردار خلیے میں روزِ اول سے موجود ہوتی ہیں! ـــــ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اس صورت حال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے ـــــ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۔ یعنی ہم نے انسان کو ایسے نطفے سے جنم دیا ہے کہ جس میں مختلف قوتیں موجود ہوتی ہیں۔ ہم نے اسے بہت سننے والا دیکھنے والا بنایا۔

جسمِ انسانی کی تعمیر میں مندرجہ ذیل پانچ بافتیں حصہ لیتی ہیں:-

۱۔ عضلاتی بافت　۲۔ اعصابی بافت　۳۔ استخوانی بافت　۴۔ غدودی بافت　۵۔ خون کی موصل بافت

دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا جسم پانچ قسم کے خلیوں سے بنا ہوا ہے۔

۱۔ عضلاتی خلیے (MUSCLE CELLS) ۲۔ اعصابی خلیے (NERVE CELLS) ۳۔ استخوانی خلیے (BONE CELLS) ۴۔ غدودی خلیے (GLAND CELLS) ۵۔ خونی خلیے (BLOOD CELLS)

عضلاتی خلیے:- ان خلیوں کو ہم جسم انسانی کے مزدور قرار دے سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کا گروپ مل کر عضلاتی بافت بناتا ہے جس کا کام حرکت ہی حرکت ہے۔ ہمارے جسم میں گوشت کے تمام ٹکڑے جو ہماری ہڈیوں کو ڈھانپے ہوئے ہیں۔ اور جسم کی حرکات و سکنات کا باعث ہے۔ وہ عضلاتی خلیوں ہی سے بنے ہوئے ہیں عضلاتی خلیوں کی فطرت میں "مزدوری" داخل ہو جاتی ہے۔ وہ صرف اطاعت کرنا جانتے ہیں۔ وہ بوقتِ ضرورت سکڑ یا پھیل سکتے ہیں۔

عضلاتی خلیے

اعصابی خلیے :- یہ خلیے دماغ اور حرام مغز کی بتی اور جسم انسانی کے دیگر اعصاب بناتے ہیں۔ دماغ کا کام جسم انسانی کا کنٹرول ہے، احساسات کو قبول کرنا، احکامات صادر کرنا، دماغ جسم انسانی کی ریاست میں صدر مملکت کا حکم رکھتا ہے۔ حرام مغز کی بتی اس کا سیکرٹریٹ ہے۔ باقی اعصاب کی نوعیت ماتحت دفاتر کی ہے۔ یہ سارا نظامِ حکومت اعصابی خلیوں کے اجتماع سے ظہور میں آتا ہے۔ اس خلیے کی ساخت میں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اس کی کئی شاخیں ہوتی ہیں اور انکی ظاہری شکل وصورت اور سائز ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ بالعموم ان سے نکلنے والی شاخوں کی لمبائی برابر نہیں ہوتی۔ ان شاخوں کی مثال ٹیلی گرافی کے نظام کے مشابہ ہے۔ دماغ کو جانے اور وہاں سے آنیوالے پیغامات ان شاخوں کے توسل سے رواں دواں رہے ہیں جو دوسرے خلیوں کی شاخوں سے مربوط ہیں!!
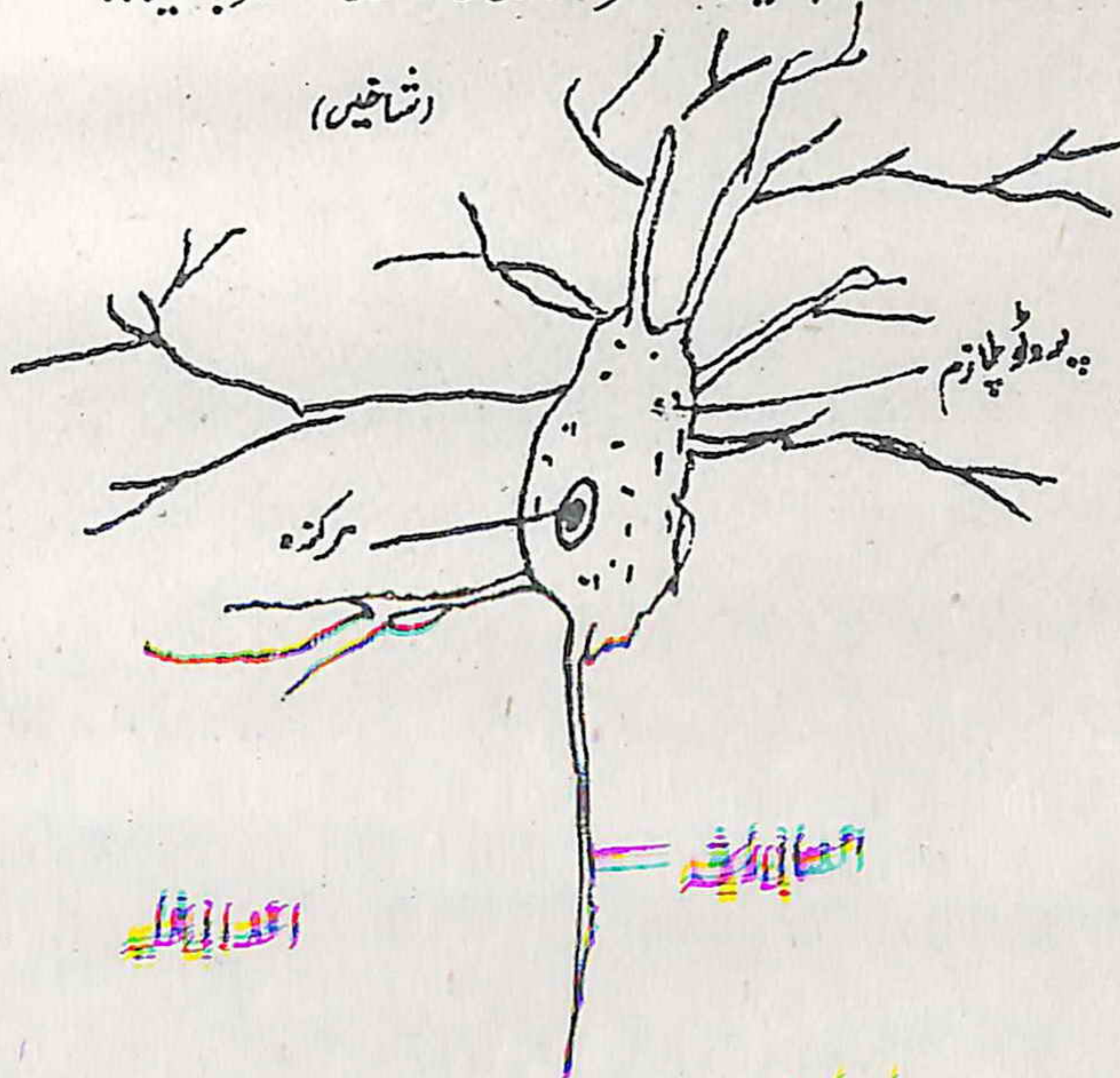
استخوانی خلیے:- ٹوٹی ہوئی ہڈی کا تراشہ لیکر اگر دیکھا جائے تو اس میں وہ سوراخ نظر آتے ہیں جن سے خون کی نالیاں گزرتی ہیں۔ ان سوراخوں میں استخوانی خلیے دائروں کی شکل میں رہتے ہیں۔ انکی شکل وصورت میں بے ترتیبی پوری طرح کارفرما ہے۔ یہ خلیے چونے کی دیواروں کے ساتھ چمٹ جاتے ہیں —— اس طرح ہڈیاں معرضِ وجود میں آتی ہیں!
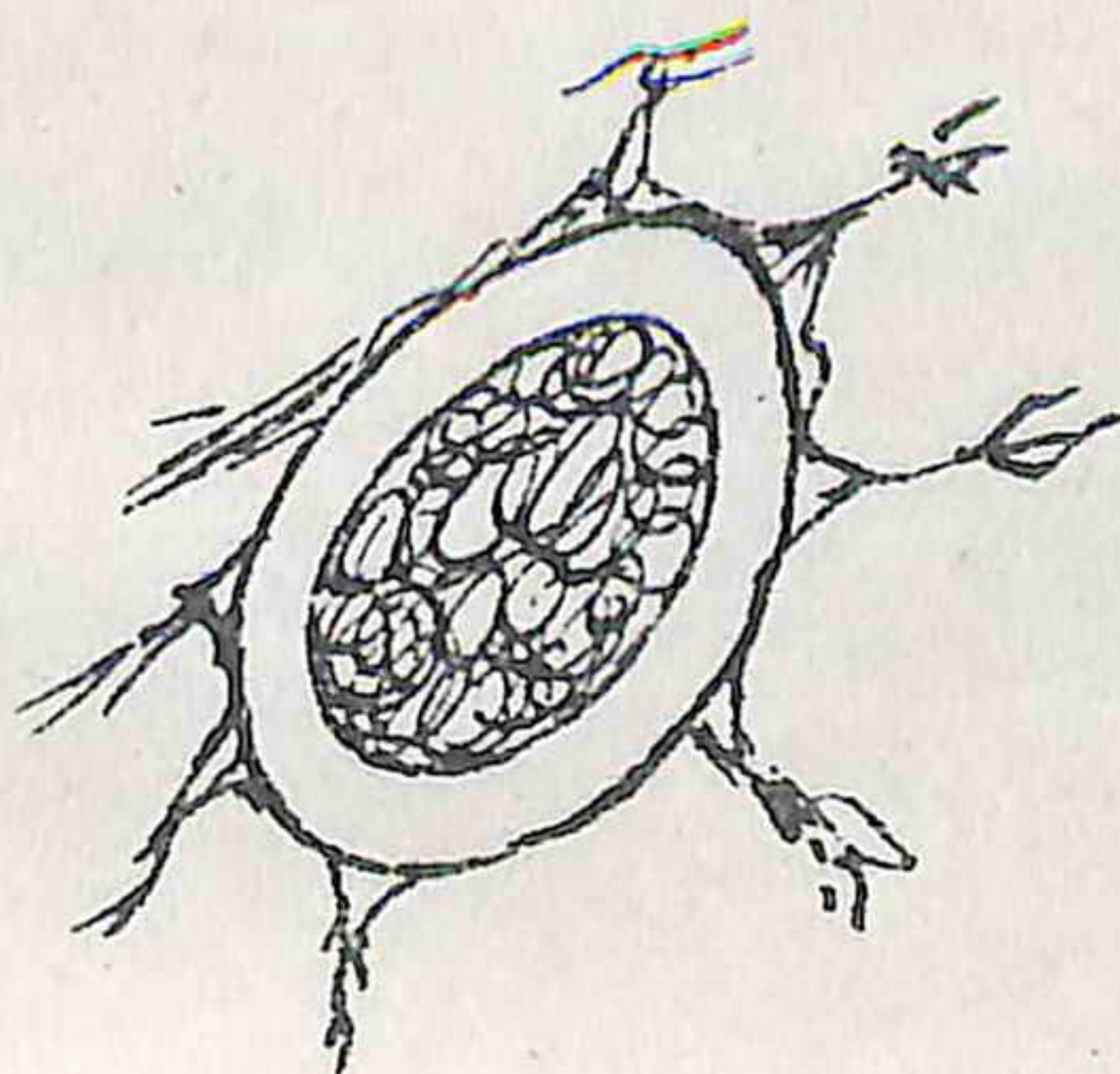
غدودی خلیے :- یہ خلیے مل کر جسم انسانی کے غدود بناتے ہیں۔ بڑے اور چھوٹے۔ تلی، تیل پیدا کرنیوالے غدود ـــ عملِ انہضام میں ممد غدود، جگر، لبلبہ، معدے اور آنت کے غدود، آلائش خارج کرنیوالے غدود ـــ پسینے خارج کرنیوالے غدود ...... وغیرہ غدودی خلیوں کے اجتماع سے ظہور میں آتے ہیں۔ غدودی خلیے مخصوص رطوبت تیار کرتے ہیں جس کے لئے خوراک خون سے حاصل کرتے ہیں مثلاً جگر ـــ صفراء، Thyroid ـــ آیوڈین، گردوں کے غدود ـــ ایڈرینالین، لعاب دہن کے غدود ٹائلین (Ptyalin)، معدے کے غدود، پیپسین ہائیڈرو کلورک ایسڈ (Pepsin - H.Cl) .... وغیرہ۔ غدودوں کی رطوبتیں نہایت اہم کردار ادا کرتی ہیں بعض رطوبتیں تو ہماری نشوونما کے علاوہ ہمارے مزاج اور اخلاق پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں ـــ اگر یہ غدود کام کرنا چھوڑ دیں تو جسم انسانی کی ساری مشینری کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور طرح طرح کی بیماریاں آکر گھیر لیتی ہیں۔

غدودی خلیے

خونی خلیے :- یہ خلیے خون بناتے ہیں۔ ان خلیوں کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مل کر عضلات یا اعصاب کے خلیوں کی طرح بافت نہیں بناتے ہیں بلکہ علیحدہ علیحدہ رہتے ہیں۔ اور خون کے سیال مادے میں جسے "پلازما" کہتے ہیں تیرتے رہتے ہیں۔ ہمارے جسم کی وریدوں (VEINS) شریانوں (ARTERIES) اور عروق شعریہ (CAPILLARIES) میں رواں دواں رہتے ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں :-

ا: سرخ جسیمے (RED CELLS) ب: سفید جسیمے (WHITE CELLS)

سرخ جسیموں کا رنگ سرخ نہیں ہوتا۔ البتہ کثرت کی وجہ سے سرخی مائل نظر آتے ہیں۔ انکی شکل طشتری نما ہوتی ہے ان کا قطر $\frac{1}{3200}$ انچ ہوتا ہے۔ ان کا کام جسم انسانی کی تمام بافتوں تک آکسیجن پہنچانا ہوتا ہے پھیپھڑوں میں جب سانس کی نالی کے ذریعے ہوا پہنچتی ہے تو وہاں سے یہ آکسیجن جذب کر لیتے ہیں۔ اور پھر دورانِ خون کے طفیل جسم انسانی کے دور دراز مقامات تک آکسیجن پہنچاتے ہیں۔ ہڈیوں کے گودے میں پیدا ہوتے ہیں ـــ سفید جسیموں کی شکل و صورت معین نہیں ہوتی حسبِ ضرورت شکل تبدیل کر لیتے ہیں۔ ان کا کام جراثیم کشی ہے یہ ہمارے جسم کی "پولیس" کہلانے کے مستحق ہیں۔ تلی انکی جنم بھومی ہے۔ سرخ جسیموں کی نسبت یہ بڑے ہوتے ہیں ان کا قطر $\frac{1}{2500}$ انچ ہوتا ہے۔ خون کے ایک قطرے میں خون کے پچاس لاکھ جسیمے موجود ہوتے ہیں۔

سفید جسیمہ

سرخ جسیمہ
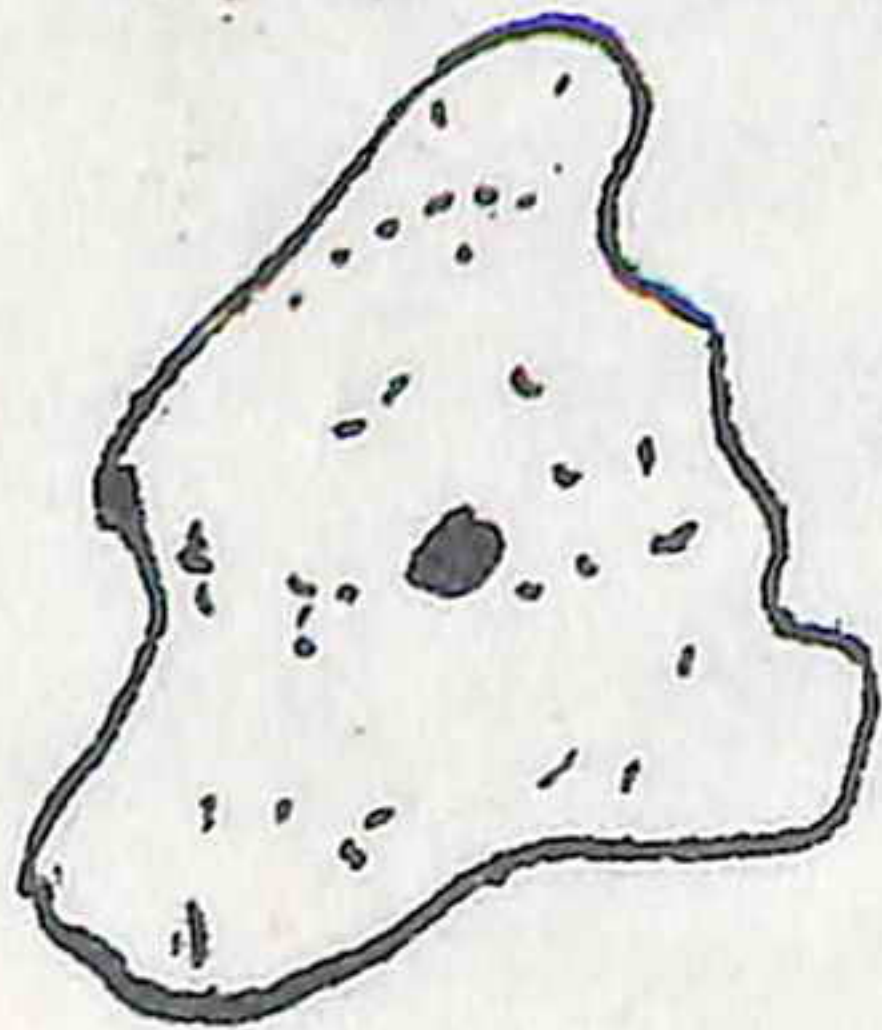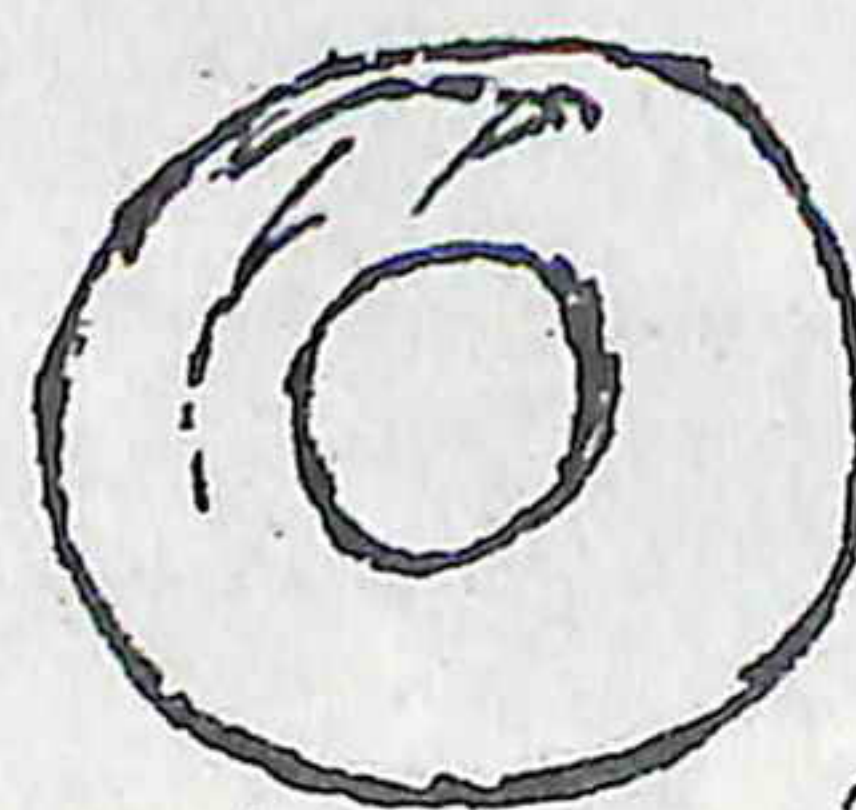
یہ سارے جسیمے جسمِ انسانی میں اپنا اپنا کام نہایت مستعدی سے سرانجام دے رہے ہیں۔ قدرت نے ان کی نشوونما کا بھی انتظام کر رکھا ہے۔ ان میں سے جو خلیے ناکارہ ہو جاتے ہیں ان کی جگہ نئے خلیے لے لیتے ہیں ——— اس طرح خدا تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا نازک ترین شاہکار ——— جسمِ انسانی ——— ترقی کی منازل طے کرتا رہتا ہے اور آخر کار قانونِ قدرت کے مطابق موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ خلیے بھی اپنا کام چھوڑ دیتے ہیں ——— یہ ہیں جسمِ انسانی کی اکائیاں ——— یہ ہے انسان جس کی ایک خلیے سے ابتداء ہوتی ہے ——— جو نیست سے ہست میں آکر پھر نیست ہو جاتا ہے ——— کیا ہی خوش قسمت ہے وہ انسان کہ جس کا دوبارہ ہست میں آنا جنتی زندگی کی نوید ہوگا!!!

اللہ تعالیٰ کن لوگوں کو پسند نہیں کرتا

قرآن کریم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کون سے لوگ خدا تعالیٰ کو پسند ہیں اور کون سے ایسے خوش قسمت ہیں جن سے وہ محبت کرتا ہے۔ مندرجہ ذیل لوگوں سے اللہ تعالیٰ کو نفرت ہے ——— ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ ان خامیوں سے دور رہیں۔

انّ اللہ لایُحبّ المعتدین۔	یقیناً اللہ نہیں پسند کرتا زیادتی کرنے والوں کو۔
واللہ لایُحبّ الفساد۔	اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا فساد کو۔ (نہ ہی فساد کرنے والے لوگوں کو)
واللہ لایُحبّ کلّ کفّارٍ اثیم۔	اللہ نہیں پسند کرتا۔ ہر ایک ناشکر۔ گناہگار کو۔
فانّ اللہ لایُحبّ الکٰفرین۔	یقیناً اللہ نہیں پسند کرتا کافروں کو۔
واللہ لایُحبّ الظّالمین۔	اللہ نہیں پسند کرتا ظالموں کو۔
انّ اللہ لایُحبّ من کان مختالاً فخوراً۔	یقیناً اللہ نہیں پسند کرتا اس کو جو تکبر کرنے والا اور اترانے والا ہو۔
انّہٗ لایُحبّ المسرفین۔	یقیناً وہ نہیں پسند کرتا فضول خرچی کرنے والوں کو۔
انّ اللہ لایُحبّ الخائنین۔	یقیناً اللہ نہیں پسند کرتا۔ خیانت کرنے والوں کو۔
انّہٗ لایُحبّ المستکبرین	یقیناً وہ نہیں پسند کرتا تکبر کرنے والوں کو۔
انّ اللہ لایُحبّ الفرحین۔	یقیناً اللہ نہیں پسند کرتا اترانے والوں کو۔
انّ اللہ لایُحبّ کُلّ خوّانٍ کفور۔	اللہ تو نہیں پسند کرتا ہر ایک خیانت کرنے والے ناشکرے کو۔
واللہ لایھدی القوم الظّالمین۔	اللہ نہیں ہدایت دیتا ظالم لوگوں کو۔

مرسلہ:۔ شیخ عبدالمنان کپورتھلوی۔ از سرگودھا۔

شذرات

۱- بھوک ہڑتال یا خودکشی ؟

ان دنوں ملک میں بھوک ہڑتالوں کا دور دورہ ہے جس کسی کو کوئی جائز یا ناجائز مطالبہ منظور کروانا ہوتا ہے وہ مہاتما گاندھی کے تتبع میں بھوک ہڑتال شروع کر دیتا ہے یا کم از کم اس کی دھمکی تو ضرور دیتا ہے۔ ابتداءً بعض سیاسی کارکنوں اور مزدوروں نے یہ حربہ استعمال کیا۔ پھر سرکاری ملازمین اور طالب علموں میں اس کا رواج ہوا اور اب بعض مذہبی کہلانیوالے (سیاسی) علماء کرام بھی اس میں ملوث ہو چکے ہیں۔

حیرت ہے کہ ہمارے علماء کرام جو ذرا ذرا سے اختلافی مسئلہ پر باہم دست و گریباں ہو جاتے ہیں اور باقاعدہ جہاد پر اُتر آتے ہیں اور جھٹ پٹ کفر کے فتوے صادر فرما دیتے ہیں اس اہم مسئلہ کا کیوں نوٹس نہیں لے رہے۔ حالانکہ یہ ایک صریح غیر اسلامی فعل ہے اور جو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے واضح طور پر ٹکراتا ہے۔

بھوک ہڑتالوں کا جائزہ لیا جائے تو بڑی دلچسپ صورتِ حال ہمارے سامنے آتی ہے۔ یا تو (جیسا کہ دراصل ہوتا ہے) بھوک ہڑتال محض ڈراوے کے طور پر ہوتی ہے۔ مرنے کی ہرگز نیت نہیں ہوتی مگر جھوٹ بول دیا جاتا ہے جو بہت بری بات ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص حقیقتاً (بالفرضِ محال) اپنے آپ کو ہلاکت کے لئے تیار کر لیتا ہے تو کیا یہ اقدام خودکشی نہیں جو ایک حرام موت ہے اور جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا؟ کیا فرماتے ہیں علماءِ ملت

پیچ اس مسئلہ کے؟

۲- سکاؤٹ تحریک اور مذہب

ایک خوشکن خبر ملاحظہ فرمائیے:-

"۱۷ دسمبر۔ مشرقِ بعید کی تیسری ریجنل سکاؤٹس کانفرنس نے پاکستان کی یہ تجویز منظور کر لی ہے کہ آئندہ سکاؤٹوں کی تحریک میں لامذہب اور خدا کی ہستی پر کامل یقین نہ رکھنے والوں کو شامل نہ کیا جائے۔ پاکستان کا مؤقف یہ تھا کہ سکاؤٹس آرگنائزیشن کے متعدد اصولوں میں سے ایک میں مذہب کی وفاداری ضروری قرار دی گئی ہے ....." (نوائے وقت ۱۸ دسمبر ۶۲ء)

یہ حقیقت ہے کہ کوئی مذہب خواہ کتنا ہی گیا گزرا کیوں نہ ہو بہرحال دہریت اور لامذہبیت سے بدرجہا بہتر ہے جب تک ایک طاقتور بالا ہستی پر ایمان نہ ہو نیکی و بدی کا کوئی صحیح تصور نہیں پیدا ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ سکاؤٹ ایسی انسانیت دوست تحریک کا ایک اہم اصول اپنے مذہب سے وفاداری کا اقرار کرنا ہے۔ نئی پاکستانی تجویز کے نتیجہ میں اب لامذہبوں کے لئے اس مفید عام تحریک کے دروازے بالکل بند ہو جائیں گے۔

غنیمت ہے کہ اس بیسویں صدی کے مادی دور میں مذہب کی یہ حیثیت تو تسلیم کر لی گئی ہے۔

۳- تازیانۂ عبرت

سکاؤٹس کانفرنس والی اسی خبر کا دوسرا حصہ بھی

ملاحظہ کیجئے :-

"پاکستانی سکاؤٹوں کے وفد کے رہنما مسٹر
این ایم خاں نے بنکاک سے یہاں واپس پہنچ کر آج بتایا
کہ پاکستان کی طرف سے کانفرنس میں دو قرارداد یں
پیش کی گئی تھیں جنہیں پندرہ شریک ممالک نے منظور
کر لیا ہے۔ دوسری قرارداد میں پاکستان نے مطالبہ کیا
تھا کہ برطانیہ کے گلویل پارک میں واقع انٹرنیشنل ٹریننگ
سنٹر میں مسلمان سکاؤٹوں کے نماز پڑھنے کے لئے مناسب
جگہ مخصوص کی جائے۔ آپ نے کہا کہ اس قرارداد کی منظوری
کے بعد یہ بھی طے کیا گیا کہ جن مسلمان ملکوں میں سکاؤٹوں کی
تحریک موجود ہے وہ مسجد کی تعمیر و انتظامات کے اخراجات
برداشت کریں گے ......"

باہمی رواداری کی یہ عمدہ مثال یقیناً قابلِ تحسین و
ستائش ہے جو غیر مذاہب والوں نے مسلمان سکاؤٹوں کی مذہبی
عبادات کا احترام کرتے ہوئے پیش کی ہے۔ کاش مسلمان علماء
اسی مثال سے عبرت حاصل کرتے ہوئے باہمی رواداری کا اسوۂ
رسولؐ کے مطابق صحیح اسلامی نمونہ پیش کریں۔ اور زیادہ نہ سہی
کم از کم آپس کے مختلف اسلامی فرقوں کے بارہ میں ہی کسی قدر
فراخدلی کا مظاہرہ کریں۔

۴۔ تصویر کا دوسرا رُخ

اب ذرا تصویر کا دوسرا رُخ بھی دیکھ لیجئے :-

"حیدرآباد۔ ۹ دسمبر۔ ضلع حیدرآباد میں نیو
سعید آباد کے مقام پر مسلمانوں کے دو فرقوں کے درمیان
تصادم میں دس افراد زخمی ہو گئے۔ ان میں سے سات
شدید زخمی ہوئے ہیں۔ یہاں موصول ہونے والی اطلاعات کے
مطابق جمعرات کی رات کو ایک فرقہ کے ارکان نماز
عشاء پڑھ رہے تھے کہ دوسرے فرقہ کے بعض افراد نے
جو لوہے کی سلاخوں اور لاٹھیوں سے مسلح تھے مسجد پر
دھاوا بول کر نمازیوں پر حملہ کر دیا اور انہیں ضربات
پہنچائیں۔ سات زخمیوں کو ہسپتال میں داخل کر دیا گیا
ہے۔ حملہ آور تاریکی سے فائدہ اٹھا کر راہ فرار اختیار
کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ پولیس نے مقدمہ درج کر لیا
ہے اور مزید تحقیقات جاری ہے"

(نوائے وقت ۱۰ دسمبر ۱۹۶۲ء)

خدا تعالیٰ ان بھولے بھٹکے حملہ آوروں اور ان کے پس پردہ
کام کرنے والے ذہنوں کو ہدایت دے۔ ظالموں نے کم از کم مسجد اور
نماز کا ہی احترام کیا ہوتا۔ آخر ایک روز خدا کو بھی منہ دکھانا ہے۔

۵۔ پنجابی ــــ بنام اُردو

ایک تازہ خبر ہے کہ پنجابی ادبی مجلس کے زیر اہتمام ایک
حالیہ کانفرنس میں یہاں مختلف مقررین نے سابق پنجاب کے تمام
پرائمری سکولوں میں پنجابی کو ذریعہ تعلیم بنانے کا مطالبہ کیا ہے۔
اس مطالبہ کی تائید کرنے والوں میں کئی معروف علمی شخصیتوں کے نام
بھی درج ہیں۔

اردو بیچاری ہندوستان سے نکالی گئی اور پاکستان
میں پناہ گزین ہوئی۔ سب سے پہلے مشرقی حصہ والوں نے اسے دھتکار
دیا۔ باقی صوبوں سے بھی اسے پھٹکار سنائی گئی۔ لے دے کر پنجاب
والوں سے کچھ امید تھی۔ وائے افسوس کہ انہوں نے بھی آنکھیں
دکھانی شروع کر دی ہیں۔ ایک امر قابل غور ہے کہ گذشتہ سو برس

سے یہاں سکولوں میں ذریعہ تعلیم زیادہ تر اردو ہی چلی آئی ہے اور اس سے پنجابی زبان کے مقام پر کوئی حرف نہیں آیا۔ نہ جانے آج کیوں اس امر کی ضرورت پیش آگئی کہ فی الفور تمام پرائمری سکولوں میں سے اُردو کو نکال کر پنجابی کو رواج دینا لازمی سمجھا گیا یہاں یہ بھی سوال پیش آسکتا ہے کہ پنجابی کو لکھا کس زبان میں جائے گا۔ اردو رسم الخط تو اس کے لئے خاص موزوں نہیں۔ ویسے بھی اردو دشمنی کا تقاضا یہی ہے کہ اسکے رسم الخط کو بھی ترک کر دیا جائے۔ اس کٹھن صورتِ حال سے نپٹنے کے لئے لے دے کر ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے اور کیا عجب جو کل کلاں ماسٹر تارا سنگھ صاحب ہی کی خدمات حاصل کرنی پڑیں۔ بہرحال اردو اور پنجابی ہر دو کے علمبرداروں کے لئے یہ لمحۂ فکریہ ہے۔

۶۔ نامحرم سے مصافحہ

اسلام کا ایک بنیادی حکم نامحرم عورت و مرد کے درمیان پردہ کا ہے۔ نامحرموں سے مصافحہ نہ کرنے کا حکم بھی صاف واضح ہے۔ راقم الحروف کا مشاہدہ ہے کہ قیامِ پاکستان سے قبل مسلمان اس حکم کا کسی قدر خیال رکھتے تھے۔ شاید یہ وجہ تھی کہ مسلمان بیبیاں تو زیادہ تر پردہ دار ہوتی تھیں۔ لہٰذا اُن سے مصافحہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ باقی رہیں اینگلو انڈین لیڈیاں یا ہندو دیویاں۔ سو وہ غیر مذاہب سے تعلق رکھتی تھیں اور یہ امر بھی گویا ایک ہلکی سی رکاوٹ کا کام دیتا رہا۔ مگر قیامِ پاکستان کے بعد یہ ہلکی سی رکاوٹ بھی دُور ہوگئی۔ اور مسلمان بیبیوں میں پردہ کا رواج کم ہوگیا اور وہ بے دھڑک جلسوں جلوسوں میں شرکت کرنے لگیں۔ رفتہ رفتہ ان سے مصافحہ کا رواج بھی ترقی کر گیا۔ اور آج یہ حالت ہے کہ مردانہ اداروں میں عورتوں سے اور زنانہ اداروں میں مردوں کے ہاتھوں انعامات وغیرہ تقسیم کروائے جاتے ہیں۔ اور اس طرح سے یہ قباحت خوب ترقی پذیر ہے۔ اس کا ایک دلچسپ شاہکار ہمارے ایک کالجیٹ دوست کا استفسار ہے کہ جناب اگر حسنِ اتفاق سے وزیرِ تعلیم عورت ہو اور ہم نے اُن کے ہاتھوں انعام حاصل کرنا ہو تو کیا ہم اُن سے بھی ہاتھ نہ ملائیں؟

ع۔ کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا ؟

۷۔ جوشِ خطابت

قومی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے مشرقی پاکستان کے ایک ممبر مسٹر محبوب الحق فرماتے ہیں کہ ۔۔۔۔۔۔ "اگر پاکستان کی سلامتی کے لئے ہمیں شیطان سے معاہدہ کرنا پڑے تو کوئی عذر نہیں ہونا چاہیئے"۔

شیطان سے معاہدہ کا جواز بھی خوب ہے۔ پتہ نہیں یہ شیطان کونسا ہے۔ ویسے ایک مسلمان کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ اپنی گفتار میں حدودِ ادب سے کبھی تجاوز نہ کرے۔

جس کے مستحق آپ سیدنا حضرت اقدس امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ الودود کے حسب ذیل ارشاد فرمودہ تعمیر مساجد ممالک بیرون کے لائحہ عمل پر کاربند ہو کر بآسانی بن سکتے ہیں

(۱) بڑے تاجر مثلاً منڈیوں کے آڑھتی اور کارخانوں کے مالک ہر مہینہ کی پہلی تاریخ کے پہلے سودے کا پورا منافع خانۂ خدا کی تعمیر کے لئے دیں۔ خواہ ایک پیسہ ہو یا ہزار روپیہ۔

(۲) چھوٹے تاجر ہر ہفتہ کے پہلے دن کے پہلے سودے کا منافع بیت اللہ کی تعمیر کے لئے دیں۔

(۳) ملازمین کو ہر سال جو سالانہ ترقی ملے اس میں سے پہلی ترقی مساجد کی تعمیر کے لئے دیا کریں۔

(ب) اسی طرح جب کوئی دوست پہلی دفعہ ملازم ہو تو وہ پہلی تنخواہ کا دسواں حصہ مسجد فنڈ میں دیں۔

(ج) عارضی ملازمین جن کو ترقی نہیں ملتی ایک ماہ کی تنخواہ کا ½ دیں۔

(۴) وکلاء، ڈاکٹر اور پیشہ ور صاحبان گزشتہ سال کی آمد مقرر کریں اور پھر اس تعین کے بعد اگلے سال انکی آمدنی میں جو زیادتی ہو اس کا دسواں حصہ نیز ماہ مئی کی آمد کا پانچ فیصدی۔

(۵) کنٹریکٹر صاحبان ہر سال کے ٹھیکوں میں جو مجموعی منافع ہو اس میں سے ایک فیصدی۔

(۶) صناع مستری لوہار درزی برکھئی اور مزدوری پیشہ احباب ہر ماہ کی پہلی تاریخ یا مہینے کا کوئی اور دن مقرر کرکے اس دن کی جو مزدوری ہو اس کا دسواں حصہ۔

(۷) زمیندار احباب جن کی زمین دس ایکڑ سے کم ہو وہ ایک آنہ فی ایکڑ اور اس سے زائد زمین والے دو آنہ فی ایکڑ کے حساب سے دیا کریں۔

(۸) مزارع احباب جن کی مزارعت دس ایکڑ سے کم ہو وہ دو پیسہ فی ایکڑ اور زائد مزارعت والے ایک آنہ فی ایکڑ کی شرح سے مسجد فنڈ دیا کریں۔

مختلف خوشی کی تقاریب پر مثلاً نکاح پر، شادی پر، بیٹی بیٹے کی پیدائش پر، مکان کی تعمیر پر، یا امتحان میں پاس ہونے پر خانۂ خدا کی تعمیر کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور دیا کریں ٭

پیش کردہ:- وکیل المال تحریک جدید انجمن احمدیہ پاکستان۔ ربوہ